اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ
وَعَلٰی آلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ ﷺ

کیا بات رضا اس چمنستانِ کرم کی
زہرا ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول

عظمتِ ماہ محرم
اور
امام حسین رضی اللہ عنہ

☆ تالیف ☆

مولانا محمد شاکر علی نوری
(امیر سُنی دعوتِ اسلامی)

ناشر:
مکتبہ طیبہ
مرکز اسماعیل حبیب مسجد، ۱۲۶ر کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی۔۳

نام کتاب : عظمتِ ماہِ محرم اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
تالیف : مولانا محمد شاکر علی نوری (امیر سُنی دعوتِ اسلامی)
صفحات : ۹۶
کمپوزنگ : مولانا سید عمران الدین قادری، محمد عبداللہ اعظمی، محمد یوسف نوری
پروف ریڈنگ : مولانا مظہر حسین علیمی، محمد توفیق احسن برکاتی مصباحی
اشاعت باردوم : عالمی سالانہ سنی اجتماع، وادیٔ نور، ممبئی ۲۰۰۷ء
تعداد : ۲۰۰۰
قیمت :

ناشر:
مکتبہ طیبہ
مرکز اسماعیل حبیب مسجد، ۱۲۶ر کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی۔۳
فون: 022-23434366 E-mail: sdi@bom3.vsnl.net.in.
http: www.sunnidawateislami.net

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ
شرفِ انتساب	۵
تقریظِ جلیل	۶
ذکرِ شہادت	۸
موجودہ صدی میں ہمارا دینی حال	۱۲
ماہِ محرم کا استقبال کیسے کریں؟	۲۵
دو رکعت نماز	۲۶
تذکرۂ شہیدِ اعظم رضی اللہ عنہ	۲۶
بشارت سرورِ کونین ﷺ	۲۷
ولادت پاک	۲۷
اسمِ گرامی اور نسب نامہ	۲۸
شکل وصورت	۲۸
بچپن کیسا تھا؟	۲۸
آقائے دو جہاں ﷺ کی پشت پر	۲۹
بیٹا رہے یا نواسا؟	۳۰
خطاب مکمل نہ فرمایا	۳۱
جبریلِ امین کی حمایت	۳۲
ہرنی کی فداکاری	۳۲
جنتی کپڑے	۳۳
جنت کا سیب	۳۴

عنوان	صفحہ
فرشتے کی حفاظت	۳۵
ذہانت امام حسین رضی اللہ عنہ	۳۶
خواہش رد نہ فرمائی	۳۶
جود وسخا کا اعلیٰ نمونہ	۳۷
عفو و درگزر	۳۹
آپ کے فضائل وکمالات	۴۰
حسین مجھ سے	۴۰
سب سے زیادہ محبوب	۴۰
آسمان والوں کا محبوب	۴۱
شجاعت وسخاوت	۴۱
جنت کے سردار	۴۱
دو پھول	۴۲
شہادت کی شہرت	۴۲
مباہلہ کیا ہے؟	۴۴
مباہلہ کب ہوتا ہے؟	۴۴
مباہلہ کن سے جائز؟	۴۴
واقعۂ مباہلہ	۴۵
یزید کون تھا؟	۴۷
انکار بیعت اور اس کی وجہ	۴۸

عنوان	صفحہ
مدینہ منورہ سے رحلت	۵۰
کوفیوں کی درخواستیں اور امام مسلم کی روانگی	۵۲
اہل کوفہ کی غداری اور شہادت امام مسلم	۵۳
فرزندان مسلم کی شہادت	۵۴
روانگی امام حسین رضی اللہ عنہ	۵۶
حضرت امام حسین کا خطاب	۵۷
شب شہادت	۵۷
صبح شہادت	۵۸
المناک شہادتیں	۶۰
شہادتِ فرزند حضرت حسن	۶۱
عباس علمبردار کی شہادت	۶۴
علی اکبر کی بہادری	۶۶
علی اصغر پر ظلم کی انتہا	۶۷
نواسۂ رسول کی شہادت	۶۹
مقصد شہادت	۷۴
قاتلان امام کا انجام	۷۶
یزید بن معاویہ کا انجام	۷۷
ابن زیاد کا انجام	۷۸
قاتلان حسین پر طرح طرح کے عذاب	۷۹
مختار ثقفی کا حشر	۸۱
حسین آج بھی زندہ ہیں	۸۱
یوم عاشورہ کیا ہے؟	۸۳
یومِ عاشورہ کے اہم واقعات	۸۳

عنوان	صفحہ
یومِ عاشورہ اور زمانۂ جاہلیت	۸۵
عاشورہ کے دن غسل وعبادت	۸۵
عاشورہ اور اعمالِ صالحہ	۸۵
یتیم پر شفقت	۸۶
عاشورہ کے دن کی نفل نماز	۸۶
ایک سال تک زندگی کا بیمہ	۸۶
دعائے عاشورہ	۸۷
عاشورہ کا روزہ	۸۷
گناہوں کی معافی	۸۸
سب سے افضل	۸۸
چار خصلتیں	۸۸
نویں محرم کا روزہ	۸۹
موت کی تنگی دور	۸۹
نبیِ اکرم ﷺ کا معمول	۹۰
ماہِ محرم الحرام میں کیا جائز؟	۹۰
محرم کی مجلسیں	۹۰
امام حسین کی نذر ونیاز	۹۱
محرم الحرام میں کیا نہ کریں؟	۹۲
شہیدِ اعظم سے محبت کا تقاضہ	۹۵

غریب وسادہ ورنگین ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حُسَین ابتدا ہیں اسماعیل

شرفِ انتساب

بصد خلوص فرزندِ رسول، جگر گوشۂ بتول، سید الشہدا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوران تمام شہیدانِ وفا کے نام جنھوں نے اسلام کی آبیاری اور حق وصداقت کی سر بلندی کی خاطر اپنی پیاری جانوں کی نذر بارگاہِ خداوندی میں پیش کردی۔

؎ گر قبول افتد زہے عز وشرف

محمد شاکر علی نوری
(امیر سُنّی دعوتِ اسلامی)

تقریظِ جلیل

حضرت علامہ مفتی محمد زبیر احمد برکاتی مصباحی (استاذ ومفتی الجامعۃ الغوثیہ، ممبئی۔۳)

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

اسلامی تاریخ اور روایاتِ صحیحہ سے یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ اسلامی سال کی ابتدا بھی قربانی پر ہورہی ہے اور انتہا بھی۔ محرم الحرام کا چاند نمودار ہوتا ہے تو نواسۂ رسول، جگر گوشۂ بتول حضرتِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوران کے رفقا کی عظیم قربانیوں کی یاد تازہ ہوجاتی ہے اور سال کے اختتام پر ماہِ ذی الحجہ کا چاند نظر آتا ہے تو حضرتِ اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ ہمارا مذہب مہذب ہم سے بے شمار قربانیاں چاہتا ہے، کیوں کہ گلشنِ اسلام کی آبیاری قربانی ہی سے ہوسکتی ہے۔ یہاں قربانی سے میری مراد ایک جانور کی قربانی نہیں، جیسا کہ آج ہم سمجھ بیٹھے ہیں بلکہ اپنے نفس کی قربانی، عیش وآرام کی قربانی، مال و اولاد کی قربانی، اطاعتِ خدا اور اطاعتِ رسول کرتے ہوئے معاصی کو یکسر ترک کرنے کی قربانی اور اسی قربانی میں ہماری نجات وعظمت کا راز پنہاں ہے مگر افسوس صد افسوس آج ہماری قوم میں رسمی قربانی کا جذبہ تو ہے مگر روحِ قربانی نہ رہی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ہر سال محرم الحرام کے ابتدائی دس دنوں میں ان نفوسِ قدسیہ کا ذکر تو سُن لیتے ہیں جنھوں نے حدودِ اسلامی کے تحفظ اور شریعت کی پاسداری کے لئے اپنی جانوں کی قربانیاں پیش کیں، لیکن ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اشاعتِ اسلام اور خدمتِ دین کا جذبہ ہمارے اندر سے بالکل مفقود ہوچکا ہے، بلکہ دلوں سے خوفِ خدا اس قدر نکل چکا ہے کہ دولت کے نشہ میں اپنے ہاتھوں احکامِ اسلامی کی پامالی کرتے ہوئے ذرہ برابر عار محسوس نہیں ہوتا اور یہی ہماری تباہی اور بربادی کا بنیادی سبب ہے۔

حالاں کہ واقعاتِ کربلا ہمارے لئے نمونۂ عمل اور مشعلِ راہ ہیں اور واقعاتِ کربلا کے اندر دینی حمیت، جذبۂ ایثار وقربانی کا ایسا عنصر موجود ہے کہ انہیں سننے اور پڑھنے کے بعد دلوں

میں انقلاب کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سال انہیں واقعات کو بیان کرنے اور سُننے کے لئے باضابطہ مجلسیں منعقد ہوتی ہیں اور متعدد کتابیں بھی منظرِ عام پر آتی ہیں۔ جس طرح ہر خطیب کا اپنا ایک انداز ہوتا ہے اسی طرح ہر مصنف کا اپنا ایک اسلوب ہوتا ہے کہ وہ انقلابی روح بیدار کرنے کے لئے اپنے فن کا بھرپور مظاہرہ کرتا ہے۔

تاریخ کربلا کے سلسلے میں بہت ساری کتابیں حشو و زوائد سے بھری پڑی ہیں اور کچھ ان سے پاک تو ہیں مگر ضخیم ہیں۔ انہیں باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے امیر سُنّی دعوتِ اسلامی حضرتِ علامہ مولانا محمد شاکر علی نوری صاحب قبلہ مدظلہ العالی نے عام فہم انداز میں مستند و ثقہ روایات کو جمع کر کے ایک مختصر مگر جامع کتاب ترتیب دی ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں موصوف نے تاریخ کربلا کی روشنی میں عظمتِ امام حسین، کردارِ حسینی، مقصدِ شہادتِ حسین، یومِ عاشورہ کے فضائل اور سالِ نو کی آمد پر امتِ مسلمہ کے لئے بیش قیمت نصائح سپردِ قرطاس کئے ہیں اور آپ نے اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک اچھوتے انداز میں ملت کے نوجوانوں کے دلوں میں جذبۂ قربانی بیدار کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

مجھے امید ہے کہ اس کتاب کو اگر کوئی دل کی گہرائی سے پڑھے تو یقیناً وہ کردارِ حسینی کو اپنانے کے لئے بالکل آمادہ ہو جائے گا۔

فقیر برکاتی دعا گو ہے کہ رب ذوالجلال دینی خدمات کے لئے مصنف کو مزید زورِ قلم اور تاثیرِ قلم سے نوازکر عمرِ خضر عطا فرمائے اور ان کی ہر تصنیف کو قبولیتِ عامہ سے مشرف فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین علیہ افضل الصلوٰۃ و اکمل التسلیم

محمد زبیر برکاتی مصباحی

۲۴؍ ذوالحجہ ۱۴۲۷ھ

ذکر شہادت

از:......استاذِ زمن، برادرِ اعلیٰ حضرت، علامہ حسن رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

باغ جنت کے ہیں بہر مدح خوان اہل بیت	تم کو مژدہ نار کا اے دشمنان اہل بیت
کس زباں سے ہو بیان عز و شان اہل بیت	مدح گوئے مصطفیٰ ہے مدح خوان اہل بیت
ان کے گھر میں بے اجازت جبرئیل آتے نہیں	قدر والے جانتے ہیں قدر و شان اہل بیت
رزم کا میداں بنا ہے جلوہ گاہِ حسن و عشق	کربلا میں ہو رہا ہے امتحان اہل بیت
کس شقی کی ہے حکومت ہائے کیا اندھیر ہے	دن دہاڑے لٹ رہا ہے کاروان اہل بیت
خشک ہو جا خاک ہو کر خاک میں مل جا فرات	خاک تجھ پر دیکھ تو سوکھی زبان اہل بیت
فاطمہ کے لاڈلے کا آخری دیدار ہے	حشر کا ہنگامہ برپا ہے میان اہل بیت
گھر لٹانا، جان دینا کوئی تجھ سے سیکھ جائے	جان عالم ہو فدا اے خاندان اہل بیت
سر شہیدان محبت کے ہیں نیزوں پر بلند	اور اونچی کی خدا نے قدر و شان اہل بیت
اہل بیت پاک سے گستاخیاں، بے باکیاں	لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ دشمنان اہل بیت

بے ادب گستاخ فرقہ کو سنا دے اے حسنؔ
یوں کہا کرتے ہیں سُنّی داستان اہل بیت

قطعہ

رضائے حق میں جو مشقِ گزند رہتے ہیں
شکست میں بھی وہی فتح مند رہتے ہیں
ہوا جو زیبِ علم کہہ اُٹھا سر شبیر
جو سربلند ہیں وہ سر بلند رہتے ہیں

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ

الحمد للہ! اسلامی سال اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ شروع ہو رہا ہے۔ ہر نیا سال اپنے دامن میں خوشیوں کی سوغات لیے جلوہ نما ہوتا ہے یا پھر غم و اندوہ، حزن و ملال کے بدنما نقوش سے داغ دار نظر آتا ہے۔ ہمیں اپنے ماضی، حال اور مستقبل کو سالِ نو کے بدلتے حالات کے لحاظ سے دیکھنا ہے اور اسے خوش نما اور خوشیوں بھرا بنانے کی جد و جہد کرنا ہے۔

سالِ گزشتہ کا احتساب، اس میں رونما ہونے والے واقعات و حادثات، ان کے اسباب وعوامل اور ان سے عبرت آموزی، مسلمانوں کے دینی و دنیوی حالات اور ''کیا کھویا، کیا پایا؟'' کا قدرے تفصیلی جائزہ آئندہ سطور میں ان شاء اللہ تعالیٰ ہم پیش کریں گے۔

چوں کہ اسلام میں عربی سال کا اعتبار چاند سے کیا گیا اس لئے پہلے اس پر کچھ معروضات پیش کر دیں تاکہ چاند دیکھ کر احکام شرع کی بجا آوری کا صحیح طریقہ سمجھ میں آسکے۔

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا ''ھُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ الشَّمۡسَ ضِیَآءً وَّ الۡقَمَرَ نُوۡرًا وَّ قَدَّرَہٗ مَنَازِلَ لِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِیۡنَ وَ الۡحِسَابَ'' وہی ہے جس نے سورج کو جگمگاتا بنایا اور چاند چمکتا اور اس کے لئے منزلیں ٹھہرائیں کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جانو۔

(کنز الایمان، پ:۱۱، سورۂ یونس، آیت ۵)

اس آیتِ مبارکہ میں قمر کی تبدیلیٔ منازل کو سالوں اور حساب کی علت قرار دیا گیا اور یہ جب ہی صحیح ہوسکتا ہے کہ سال کا تعلق مہتاب کی سیر کے ساتھ ہو، دورِ رسالت مآب ﷺ میں لوگ چاند کے حوالے سے رحمتِ عالم ﷺ سے دریافت کرتے تو تاجدارِ کائنات ﷺ سے اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا ''یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡاَھِلَّۃِ قُلۡ ھِیَ مَوَاقِیۡتُ لِلنَّاسِ وَ الۡحَجِّ'' تم سے نئے چاند کو پوچھتے ہیں، تم فرمادو، وہ وقت کی علامتیں ہیں لوگوں اور حج کے لئے۔

(کنز الایمان، پ:۲، سورۂ بقرہ، آیت:۱۸۹)

میرے پیارے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! قرآنِ مقدس ایک نظامِ حیات ہے، جو زندگی کے ہر موڑ پر ہماری رہنمائی کرتا ہے، انسانی زندگی میں کاروبارِ دنیا سے لے کر آرام و عبادت کے لئے وقت کا تقرر اور تعین بے حد ضروری ہے، آج کے دور میں اوقات کی معلومات گھڑی کے ذریعہ اور دیگر آلاتِ جدیدہ کے ذریعہ ہم حاصل کر سکتے ہیں لیکن صدیوں پہلے تو ان چیزوں کا وجود ہی نہیں تھا اس دور میں اوقات کے ساتھ ساتھ ان ساری چیزوں کا تعین کیوں کر ممکن تھا؟ تو اللہ عزوجل نے قرآن مقدس میں اس طرح اس کی وضاحت فرمادی کہ جہاں یہ چاند و سورج روشنی کے لئے ہیں وہیں پر لوگوں کے لئے اور حج کے لئے وقت اور علامتیں ہیں۔ آج بھی جو ٹائم ٹیبل اور جنتریاں بنائی جاتی ہیں وہ چاند و سورج کے نظام کو سامنے رکھ کر ہی بنائی جاتی ہیں، لیکن خاص بات جو ذہن میں رکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ آج کا ماڈرن طبقہ اسلام کو ایک فرسودہ نظام اور کامیابی کی راہ میں رکاوٹ تصور کرتا ہے لیکن چاند کی زمین پر قدم رکھنے کے حوالے سے بلند و بانگ دعویٰ کرنے والوں کو اور اسلام پر اعتراض کرنے والوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ چاند کی تخلیق کے مقصد کو قرآنِ مقدس نے واضح کر دیا، اللہ عزوجل نے اپنی عظمت اور قرآنِ مقدس کی عظمت کو انسانوں کے سامنے ظاہر کر دیا کہ تم چاند کے نکلنے، چھپنے اور سیر کرنے کے حالات پر غور کرو اور اسی سے حج کے لئے وقت کا تعین کرو۔ سائنس آج چاند کے حوالے سے گفتگو کر رہا ہے اور اسلام صدیوں پہلے اس کے فائدے کو قرآنِ مقدس کے ذریعہ پیش کر چکا ہے۔

میرے پیارے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! اس سے پتہ چلا کہ قرآنِ مقدس اصول علم سائنس اور تسخیر ماہتاب و آفتاب کے حوالے سے غور کرنے کا حکم دے کر آج کے سائنس دانوں کو منہ توڑ جواب دے رہا ہے کہ تم چاند و سورج کی تحقیق و تفتیش اور فکر و تدبر کے ذریعہ ہونے والے انکشافات کو اپنی طرف بھلے منسوب کر لو لیکن حقیقت یہ ہے کہ صدیوں پہلے قرآنِ مقدس نے اس پر غور کرنے کا حکم دیا اور اس کے سربستہ رازوں کو آشکارا اور ضروری نکات کی نشان دہی بھی کر دی۔

چاند کے حوالے سے اس مختصر سی معلومات کے بعد اب آیئے سال کے بارہ مہینوں کی تعداد کے بارے میں ہم قرآنِ مقدس کے ذریعہ کچھ معلومات حاصل کریں تا کہ حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہ آنے پائے کہ بارہ مہینوں کا تقرر کسی انسان کی کوشش اور اس کا اختراعی نظریہ ہے بلکہ اللہ عزوجل نے جس دن سے آسمان وزمین کو پیدا فرمایا اسی دن سے سال کے بارہ مہینے بھی مقرر فرمائے۔ جیسا کہ قرآنِ مقدس میں اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا"اِنَّ عِدَّۃَ الشُّھُوْرِ عِنْدَ اللّٰہِ اثْنٰی عَشَرَ شَھْرًا فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْھَا اَرْبَعَۃٌ حُرُمٌ" بے شک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں اللہ کی کتاب میں جب سے اس نے آسمان اور زمین بنائے، ان میں چار حرمت والے ہیں۔ (کنزالایمان، پ:۱۰، سورۂ توبہ، آیت:۳۶)

مذکورہ آیۂ کریمہ میں بتایا گیا کہ قمری مہینوں کی تعداد بارہ ہے اور یہ خود خالقِ ماہ وایام نے مقرر فرمایا ہے، تخلیق زمین وآسمان کے ساتھ ہی لوحِ محفوظ میں اس کو لکھ دیا تھا۔

اس بات کو اچھی طرح ذہن میں رکھیں کہ شریعت کے جو بھی احکام ہیں ان میں اعتبار قمری مہینوں کا ہی ہے، روزے ہوں یا حج، زکوٰۃ ہو یا پھر ایامِ عدت ان سب کے لئے قمری مہینے ہی قابلِ اعتبار ہیں، کیوں کہ یہ مہینے کسی خاص موسم میں نہیں آتے بلکہ مختلف موسموں میں آتے ہیں جس سے ہر موسم میں عبادت وریاضت کرنے کا لطف اور ذوق میسر ہوتا ہے۔ کبھی گرمی کے موسم میں طویل روزے اور کبھی سردی کے موسم میں حج کی ادائیگی، گویا بندہ ہر موسم میں اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں عبادت وبندگی کا خراج پیش کرتا ہے اور اس مقصد کا حصول قمری مہینوں میں ہوتا ہے نہ کہ شمسی مہینوں میں۔

اگر چہ دنیوی حساب وکتاب کے لئے شمسی مہینوں کا اعتبار اور استعمال جائز ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے احکامات کے نفوذ اور اس پر عمل درآمدگی کے لئے جن مہینوں کا اعتبار فرمایا وہ قمری ہیں، تاہم قمری مہینوں کا حساب رکھنے کے لئے ہر ماہ کا چاند دیکھنا فرضِ کفایہ ہے، اگر بستی کے جملہ مسلمانوں نے قمری تاریخ کو فراموش کر دیا تو سب گنہ گار ہوں گے اور اگر چند افراد یا جو سُنی صحیح العقیدہ رویتِ ہلال کمیٹی تشکیل دی گئی وہ ہر ماہ چاند کی رویت کا اہتمام اور اس کے

اعلان کا خیال کرتی ہے تو سب بری الذمہ ہو گئے اور یہ بات بھی ذہن میں محفوظ رکھیں کہ چاند کا اعتبار بستی والوں کے خود چاند دیکھ لینے یا شرعی شہادت کے حصول سے ہے، اس میں آلاتِ جدیدہ، ٹیلیفون اور ٹیلیویژن کی خبر کا اعتبار نہیں، کیوں کہ ان آلات کے ذریعہ جو معلومات ہمیں حاصل ہوتی ہے وہ خبر ہے، شہادت نہیں، جب کہ چاند کے ثبوت کے لیے شہادت ضروری ہے جس میں گواہوں کا حاضر ہونا اور ایک ساتھ مل کر شہادت دینا لازمی ہے۔ رویت کے حوالے سے مزید معلومات کے لئے علمائے اہلِ سنت کی تصانیف وتحقیقات کا مطالعہ فرمائیں۔

بارہ مہینوں کی تعداد کا تقرر اللہ رب العزت ہی نے فرمایا اور انہیں میں سے چار ماہ کو اس نے حرمت والے بنائے، وہ جس کو چاہے جتنا چاہے فضیلت اور ثواب بخش دے۔ وہ چار مہینے جن کو اللہ رب العزت نے حرمت والے بنائے ان مہینوں کا احترام اور ان مہینوں میں عبادت و ریاضت کرنا ضروری ہے اور اپنی جانوں پر ظلم کرنے سے بچنا یہ بھی ان حرمت والے مہینوں کے احترام میں شامل ہے، اس لئے کہ حرمت والے مہینوں میں عبادت کا ثواب بڑھا دیا جاتا ہے اور گناہ پر سزا میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ ان حرمت والے مہینوں کا احترام سابقہ شریعت میں بھی جاتا تھا کہ قتل وغارت گری، فسادات، جنگ وجدال یہ سب ان حرمت والے مہینوں کے چاند نظر آتے ہی لوگ ان کے احترام میں چھوڑ دیتے تھے۔ شریعتِ اسلامی میں یہ سب پابندیاں تھیں لیکن جہاد کا حکم منسوخ ہو گیا، اگر ان حرمت والے مہینوں میں وقتِ جہاد آ جائے تو شریعتِ اسلامیہ میں اللہ کے کلمے کی بلندی کے لئے ان حرمت والے مہینوں میں جہاد کو ترجیح ہے۔ قرآنِ مقدس میں ان حرمت والے مہینوں کو "اَشْھُرِ حُرُمٌ" کہا گیا۔ جن کے نام اس طرح ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم یہ تین تو مسلسل ہیں اور ایک رجب کا مہینہ۔

ان مہینوں کے نام خود بھی یاد کریں اور اپنے بچوں کو بھی یاد کرائیں، ان مہینوں کے احترام کا حکم قرآنِ مقدس میں اللہ رب العزت نے دیا ہے لہٰذا اس کا خیال رکھیں کہ کسی طرح اسلامی بارہ مہینوں کے نام خود بھی یاد کریں اور گھر والوں کو بھی یاد کرائیں، بارہ مہینوں کے نام اس طرح ہیں:

۱۔محرم الحرام	۲۔صفر المظفر	۳۔ربیع الاول
۴۔ربیع الآخر	۵۔جمادی الاولیٰ	۶۔جمادی الآخرہ
۷۔رجب المرجب	۸۔شعبان المعظم	۹۔رمضان المبارک
۱۰۔شوال المکرّم	۱۱۔ذوالقعدہ	۱۲۔ذوالحجہ

محترم قارئینِ کرام! آج پوری دنیا میں ایک ساتھ، ایک ہی دن عید منانے اور ماہِ رمضان شروع کرنے کے حوالے سے بھرپور کوشش کی جارہی ہے، یقیناً ایک ہی ساتھ روزے رکھنا اور عید منانا یہ اتفاق اچھی چیز ہے، لیکن ہمیں یہ خیال رکھنا چاہئے کہ ہمارا یہ عمل قرآنِ مقدس کے احکام اور طریقۂ مصطفیٰ ﷺ کے مطابق ہو، اگر خلاف ہو تو کیسے ممکن ہے؟ آج رویت کے حوالے سے شریعت کے قانون کا اور ان لوگوں کی زندگی کا جائزہ لیں جو مہینوں کو آگے، پیچھے کر دیتے ہیں اور ان کے حوالے سے اللہ عزوجل نے کیا ارشاد فرمایا؟

یہ ان اہلِ عرب کا دستور تھا جو کافر تھے، شریعتِ ابراہیمی کی پیروی کا دعویٰ کیا کرتے تھے اور چوں کہ حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں بھی یہ چار مہینے حرمت والے تھے وہ سنتِ ابراہیمی پر عمل کا دعویٰ تو کرتے تھے لیکن اپنی سہولت کے مطابق احکامِ شرع اور حرمت والے مہینوں میں تبدیلی کے بھی عادی تھے۔ کبھی ان مہینوں میں جدال وقتال کرتے اور کہہ دیتے کہ ماہِ محرم نہیں، صفر ہے اور محرم بعد والا مہینہ ہوگا، یعنی جس ماہ کو ان کی طبیعت چاہتی حرمت والا بنا دیتے اور جس کو چاہتے دوسرا ماہ بنا دیتے۔ قرآنِ مقدس نے ان کی اس منافقانہ عادت کا ذکر اس طرح کیا ہے "یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ یُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا" ایک برس اسے حلال ٹھہراتے ہیں اور دوسرے برس اسے حرام مانتے ہیں۔ (کنزالایمان، پ:۱۰، سورۂ توبہ، آیت:۳۷)

وہ لوگ ایسا کیوں کرتے؟ تو قرآنِ مقدس کہتا ہے "لِیُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ" کہ اس گنتی کے برابر ہو جائیں جو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمائی اور اللہ کے حرام کئے ہوئے حلال کرلیں۔ (کنزالایمان، پ:۱۰، سورۂ توبہ، آیت:۳۷)

یہ ان پابندیٔ شریعت کے جھوٹے دعوے داروں کی عادت تھی، قرآن اور صاحب

قرآن ﷺ نے ان لغویات کو ختم کیا اور بندوں کو آگاہ کیا کہ تبدیلیٔ احکام کا حق اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کو حاصل ہے، بندے کو اللہ کے قانون میں تغییر اور تبدیلی کا کوئی حق نہیں ہے، اللہ عزوجل نے اسی لئے اپنے بندوں کو ہدایت دی اور تاکید فرمائی کہ اے ایمان والو! کافروں کے نقشِ قدم پر نہ چلنا اور ان کی عادتیں نہ اپنانا۔ لہٰذا قرآنِ مقدس اور صاحبِ قرآن ﷺ کے فرمان ہی پر عمل کرنا چاہئے۔

آپ نے جان لیا کہ چاند دیکھ کر ماہِ رمضان شروع کرنے اور حج کرنے کا حکم ہوا، صرف فلاں شہر والے عید کر رہے ہیں یا روزہ رکھ رہے ہیں تو ہم بھی ایسا کریں اس کی اجازت شریعت میں نہیں ہے۔ شرعی اعتبار سے شہادت یا رویت صحیح ثابت ہو جائے تو اس کا اعتبار کیا جائے گا ورنہ جو احکامِ شرع ہیں ان پر عمل کرنے ہی میں عافیت ہے۔ رویتِ ہلال اور شرعی شہادت کے مسائل کی دریافت کے لئے علمائے اہل سنت کی تصانیف کی طرف رجوع کریں انشاءاللہ تشفی ہوگی۔

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! بارہ مہینوں کے نام، ان کی تعداد اور ان میں حرمت والے مہینوں کے حوالے سے قدرے معلومات آپ نے حاصل کرلی، سرِ دست ہم یہ بھی بتا دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ سال کا تعین کیوں کر ہوا، تاکہ اسلامی معلومات میں اضافہ بھی ہو اور تاریخی واقعات سے آگاہی بھی۔ اہلِ عرب مہینوں کے نام کے حوالے سے متفق تو ہو گئے لیکن سال کے تعین کے حوالے سے اب بھی پریشان تھے، حالاں کہ رواج یہ تھا کہ کسی اہم واقعہ کی طرف سال کی نسبت کر کے سال کو یاد کیا جاتا۔ مثال کے طور پر کعبہ پر اصحابِ فیل کے حملے کا واقعہ پیش آ گیا تو اس سال کو عام الفیل کہا جانے لگا، اسی طرح ابو طالب اور حضرتِ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال ہوا تو اس سال کو عام الحزن کہا جانے لگا۔ غرض کہ سال کے تعین اور تاریخوں کی محافظت میں کافی دقتیں آنے لگیں، یہ معلوم کرنا دشوار تھا کہ جو تاریخ شعبان کی ہے وہ کس شعبان کی ہے؟ اس سال کی ہے یا گزشتہ سال کی؟ اسی عالم میں اللہ کے ان برگزیدہ بندوں نے جو امت کی اس ضرورت کو محسوس کر رہے تھے قوم کے اس اضطراب کو دور

کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔

خلیفۂ دوم امیر المومنین حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اللہ تعالیٰ اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے کہ آپ نے اپنے دورِ خلافت میں امت کی دینی اور دنیوی ضرورتوں کو حتی المقدور پورا کرنے کی کوشش کی اور ہر ضرورت کے حوالے سے اپنی شوریٰ کے مشورہ طلب فرماتے اور اسی کے مطابق خلافت کے نظم ونسق کو انجام دیتے۔ ایک مرتبہ آپ کو اہم خط موصول ہوا جس میں تاریخ اور ماہ کا نام تو مذکور تھا، سن درج نہیں تھا۔ آپ کو تجسس ہوا کہ یہ خط اس شعبان کا ہے یا گزشتہ سال کا۔ آپ نے اپنے رفقا کو بلایا اور سال کے تعین کے حوالے سے زور دیا اور مشورے طلب کئے کہ سال کا آغاز کب اور کیسے کیا جائے؟ لہٰذا طے پایا کہ کسی اہم اسلامی واقعہ کی نسبت سے اسلامی سال کا تعین کیا جائے، متفقہ طور پر رحمتِ عالم ﷺ کی ہجرت کے واقعہ کو اہم قرار دیا گیا جو یقیناً اپنے ماضی اور مستقبل کے اعتبار سے نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے، جو اللہ کی زمین پر پہلی اسلامی ریاست کے قیام کا سبب بنا، مولائے کائنات حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورے سے یہ طے پایا کہ سال کی ابتدا اسی واقعہ سے کی جائے اور اسے سنِ ہجری کہا جائے۔

لیکن ایک دقت یہ پیش آئی کہ رحمتِ عالم ﷺ نے ہجرت محرم میں تو نہیں فرمائی تھی بلکہ ماہِ ربیع الاول میں ہجرت فرمائی تھی، حضرتِ عثمانِ ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تطبیق کی صورت پیش فرمائی کہ ماہِ محرم کو سال کا پہلا مہینہ رکھا جائے اور سن ہجری کا دو ماہ اور آٹھ دن پیچھے شمار کیا جائے، اس طرح ۲۰؍ جمادی الثانی ۱۷ھ مطابق ۹؍ جولائی ۶۳۸ء سے باقاعدہ ہجری سال کا آغاز ہوا۔

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! صحابۂ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کی عظمتوں پر قربان جاؤ کہ وہ اپنے آقا ﷺ کی نسبتوں سے کتنی محبت فرماتے تھے کہ ان نسبتوں کو زندہ رکھنے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے اور کسی بھی معاملہ میں غیروں کی تہذیب پسند نہیں کرتے تھے حتی کہ سن عیسوی کے ہوتے ہوئے بھی ایک نئی شناخت کے طور پر سن ہجری شروع کر کے امتِ مسلمہ کو دعوتِ فکر دی کہ تم اپنے انداز کو اپناؤ، قرآن واحادیث کے بتائے ہوئے راستے پر

چلو اور ساتھ ہی ساتھ غیروں کی نقالی سے پرہیز کرو، غیروں کی نقالی سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا بلکہ آخرت میں رسوائی ہی رسوائی ہوگی اور دنیا میں تو ہو ہی رہی ہے۔ اللہ جل جلالہ ہم کو اپنے پیارے آقا ﷺ کی پیروی کی توفیق نصیب فرمائے۔

آیئے اب ہم نئے سال کے استقبال اور سابقہ سال کے حوالے سے غور کریں۔

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! گزشتہ سال ہم نے دینی اور دنیوی کامیابی اور ناکامی کے حوالے سے ''کیا پایا؟ کیا کھویا؟'' پر آیئے پہلے ایک سرسری جائزہ لیں اور اس پر غور کرنے کی کوشش کریں تا کہ آنے والے سال کے لئے کوئی لائحۂ عمل مرتب کرسکیں اور کسی مضبوط منصوبہ بندی پر اتفاق ہو اور پورے سال اسی پر عمل درآمد کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔

موجودہ صدی میں ہمارا دینی حال

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! اگر ہم عالمی سطح پر قومِ مسلم کے دینی حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو پہلے سے کافی گراوٹ نظر آتی ہے اور دینی اعتبار سے مسلمانوں میں بے راہ روی، منافرت وکشیدگی کافی بڑھتی ہوئی نظر آتی ہے۔ پہلے حلال وحرام، جائز اور ناجائز کا مسلمانوں میں کسی حد تک خیال رکھا جاتا تھا لیکن اب اس کا تجزیہ کریں اور مسلمانوں کے اعمال وکردار کا تنقیدی جائزہ لیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اکیسویں صدی کے آغاز سے حلت و حرمت کی تمیز گویا امت مسلمہ میں کمزور دکھائی دے رہی ہے، پہلے تجارتی لین دین کے کسی ناجائز طریقہ پر علما سود کا حکم دیتے اور شرعی احکام پیش کرتے تو لوگ اسے ترک کر دیتے، اب تو یہ عام بلا بنتی جا رہی ہے اور بے شمار مسلمان اس میں گرفتار ہو رہے ہیں، اسی طرح خیانت کا بھی دور دورہ ہے، لوگ امانتوں کو بے خوف وخطر ہڑپ کر جاتے ہیں اور خیانت کی سزا کی انہیں فکر نہیں ہوتی، اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول ﷺ کا جذبہ مفقود نظر آتا ہے، بلکہ نئی نسل کے نوجوانوں کو خلفائے اربعہ کے نام تک نہیں معلوم اور فلم انڈسٹری کے ہیرو ہیروئن کے بارے میں تاریخِ پیدائش سے لے کر ان کی پسند سے ناپسند تک سب کچھ جانتے ہیں۔ **العیاذ باللہ**

بظاہر مسجدوں میں نمازیوں کی تعداد زیادہ دکھائی دے لیکن اگر آپ اس کا اثر نمازیوں

کی زندگی پر دیکھنا چاہیں تو ندارد۔ حاجیوں اور روزہ داروں کی تعداد میں قدرے اضافہ ضرور ہوا لیکن ان عبادات کے اثرات انسانی زندگی پر کہیں کہیں نظر آتے ہیں۔ تحریکات کا وجود لیکن اخلاص ناپید۔ **الا ماشاء اللہ**

رہے دینی معلومات اور دینی تعلیم کے حصول کا شوق تو یہ سب کچھ عیاں ہے۔۔۔۔ یاد رکھیں! دین ہی ہماری اصل پونجی ہے، اگر یہ ضائع ہوگئی تو دونوں جہاں برباد اور اگر یہ سلامت تو دونوں جہاں میں ہم سلامت۔ آج دینی سرگرمیوں کی طرف نوجوان پیش قدمی نہیں کرتے، یہی وجہ ہے کہ دن بدن دین سے بغاوت اور نفرت نئی نسل میں عام ہوتی نظر آتی ہے۔ **الا ماشاء اللہ**

گزشتہ سال ہر اعتبار سے ہم سب کو دعوتِ فکر دیتا ہے کہ تم نے قوم کے خورد ونوش اور رہائش وغیرہ کا انتظام تو کیا ہوگا لیکن ان کے دلوں میں دینی شعور اور ملی تڑپ بیدار کرنے کے بارے میں کوئی فکر نہیں جو کہ دنیاوی زندگی میں کامیاب ہونے کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے کہ دین ہی انسان کو انسان بناتا ہے اور زندگی کی آخری سانس تک دین ہی کے دامن سے وابستہ رہنے کا اللہ عزوجل نے حکم دیا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ دین ہی نے ہم کو عزت دی، شہرت دی، کامیابی دی، مقام دیا اور آج دین سے دوری کے نتائج بھی ہمارے سامنے ہیں کہ جو کچھ تھا وہ بھی جاتا دکھائی دیتا ہے۔ خبردار! اپنی زندگی کو دین سے دور نہ رکھیں۔ گزشتہ صدی میں عوام کا حال یہ تھا کہ علمائے کرام اگر کسی معاملہ میں کوئی حکم صادر فرمادیتے تو عوام بے چون وچرا اسے قبول کرلیتی اور اس پر عمل کرنا اپنے لئے ضروری سمجھتی اور ان کے فیصلہ کو اپنے لئے حرفِ آخر اور کامیابی کی ضمانت تصور کرتی۔ علمائے کرام کی زیارت اور ان کی صحبت سے استفادہ، ان کی مجلس کی حاضری کو رحمت خیال کر کے بچوں کے دلوں میں اللہ ورسول کی محبت اور ذکر ودرود کا سچا جذبہ بیدار کرتی، جھوٹ سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہ تھا اور صدق ہی ان کی پہچان تھی۔

دھوکہ دہی، فریب کاری کو آج کے دور میں پالیسی اور فن تصور کیا جاتا ہے، جب کہ گزشتہ صدی میں اسے ایک بدترین عیب سمجھا جاتا، مساجد میں دنیا کی باتیں کرنا گناہ جانتے،

جوا، شراب اور حرام چیزوں کو حقارت کی نظروں سے دیکھتے تھے، بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت اور والدین کی اطاعت، پڑوسیوں کے ساتھ صلہ رحمی ان کا وطیرہ تھا اور ان کی خیر خواہی لازمی گردانتے تھے، گویا گزشتہ صدیوں میں ہمارا حال کسی حد تک اچھا تھا، لیکن اکیسویں صدی میں ہر سال ہمارا دینی حال نہایت ہی گھناؤنا ہوتا جارہا ہے۔ ہمیں دینی تعلیمات اور مذہبی اصول وقوانین کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنے کی فکر ہے، نہ ہی اسلامی تشخص برقرار رکھنے کا کوئی شوق۔ احترام، عبادت، پردہ، ذکر ودرود، مساجد کا احترام وغیرہ سب مفقود، بلکہ ان کی جگہ اللہ تعالیٰ کی پیہم نافرمانیوں کا ایک تسلسل ہے جو ہر کسی پر واضح اور روشن ہے۔

آج ہم اپنی بے آبروئی، ذلت ورسوائی اور زوال وپستی کی باتیں کرتے ہیں اور شور مچاتے ہیں کہ غیر قوم ہم کو اسلامی شعار میں حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے، تو میں کہتا ہوں کہ تاریخ کا مطالعہ کرو، جب تک ہمارا دینی حال اچھا تھا ہر کوئی ہمارا احترام کرتا اور غیروں پر بھی اس کا اثر ہوتا۔ غیر قوم مسجد کے قریب کبھی ڈھول باجا نہیں بجاتی تھی، اگر وقتِ نماز میں مسلمان کہیں نماز پڑھتا ہوتو غیر قوم کے لوگ بھی احتیاط سے باتیں کیا کرتے، ماہِ رمضان المبارک میں غیر قومیں دن کے اجالے میں مسلمانوں کے سامنے کھانے پینے سے احتیاط کرتیں۔ وہ یہ جانتے تھے کہ ان کا یہ فعل مسلمانوں کی دل آزاری کا سبب ہوگا اور اس طرزِ عمل سے ان کے مذہبی امور کی بجا آوری میں خلل واقع ہوگا۔

لیکن ہم شیطان کے مکروفریب کے شکار ہوئے اور ہم نے خود اپنے دینی احکام کی بجا آوری میں حد درجہ کوتاہی برتی، ہم نے مسجد کا احترام چھوڑ دیا، ہمارے گھر مسجد سے قریب ہوں تو بھی ناچ گانوں کی آواز سے نمازیوں کو تکلیف ہم ہی پہنچاتے ہیں، بھلا جب مسلمان ہی ایسا کرے گا تو غیر قوموں پر اس کا کیا اثر ہوگا۔ ہم نے دیکھا کہ ہماری ان ساری چیزوں کی وجہ ہمارا دین سے رشتہ کمزور ہونا ہے، بلکہ (معاذ اللہ) دین ہی کو اپنی ترقی میں رکاوٹ ہم سمجھنے لگے، ہم نے ترقی کے نام پر اور باعزت بننے کے لئے پہلے داڑھی منڈوائی، پھر مونچھیں رخصت ہوئیں اور بالکل زنانی صورت اختیار کرلی۔ داڑھی کے رخصت ہوتے ہی بے غیرتی بڑھی، بے شرمی

بڑھی، تباہی نے دروازے پر دستک دی، ہم سمجھے کہ اب ترقی کریں گے، ہم نے یہود و نصاریٰ جیسی شکل بنالی، داڑھی منڈانے سے کیا چیز ہاتھ آئی؟ کون سی ترقی ہم نے کرلی؟ سوائے اس کے کہ اہلِ نظر کو یقین ہو گیا کہ اب فرزندانِ اسلام میں اطاعتِ رسول ﷺ کا جذبہ باقی نہیں ہے، شریعت کا احترام ان کے دلوں سے جاتا رہا۔ جو علی الاعلان اپنے حبیب ﷺ کی سنت کو تراشتا ہو وہ کیسے بہتر اور قابلِ عزت ہو سکتا ہے؟ داڑھی منڈانے سے عزت کیا ملتی خود اپنے رب کی ناراضگی مول لے کر عوام کا اعتماد بھی کھو بیٹھے۔ ترقی کے بجائے تنزلی ہمارے ہاتھ آئی۔

آج اگر ہم سِکھ قوم کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے داڑھی اور سر کے بالوں کو منڈوائے بغیر خوب ترقی کی۔ ترقی کے لئے کبھی یہ چیزیں ان کے لئے رکاوٹ نہیں بنیں، جہاں دیکھو، جس بڑے عہدے پر دیکھو، جس ملک میں دیکھو، جس میدان میں دیکھو وہ کامیاب نظر آئیں گے اور اپنے شعار کے ساتھ۔ لیکن آج قومِ مسلم کو دینی شعار اختیار کرنے میں شرم آتی ہے، داڑھی رکھنے میں شرم، نماز پڑھنے میں شرم، پردہ کرنے میں شرم، بیٹھ کر کھانے پینے میں شرم، اسلامی لباس اختیار کرنے میں شرم۔ اس قدر ہم نے شرم کیا کہ بے شرمی اور بے حیائی کی ساری حدیں تجاوز کرگئے۔

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! ہمیں جو کام کرنے میں فخر ہونا چاہئے آج ہمیں انہیں کاموں میں شرم محسوس ہو رہی ہے اور جو کام کرنا بے شرمی اور بے غیرتی کی بات تھی آج ان کاموں کو فخر کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ آج ناچ گانے، فحاشی، فلم بینی، بے غیرتی، بے پردگی، عریانیت، غیر عورتوں سے ملنا، ملانا جو کبھی بھی باعزت مسلمان پسند نہیں کرسکتا، آج ترقی کے نام پر سب کچھ ہو رہا ہے اور مسلمان ایسا کرنے پر فخر محسوس کر رہے ہیں، ساتھ ہی دوسروں کو ایسا کرنے کی ترغیب بھی دے رہے ہیں۔ اگر شریعتِ مصطفیٰ ﷺ سے روگردانی ترقی ہے تو لعنت ہو ایسی ترقی پر، جان لو کہ شریعت کو چھوڑ کر ترقی کیا ملے گی، بربادی ہی بربادی ہاتھ آئے گی اور ذلت و رسوائی کے سوا اس کا کچھ بھی حاصل نہیں۔ ذلت و خواری، انحطاط و پستی، تباہی و بربادی سے ہمارا رشتہ اس قدر مضبوط ہو چکا ہے کہ مکمل کوشش کے باوجود بھی ہم اپنے دامن کو

بچا نہیں سکتے، عروج و ارتقا، عظمت و شوکت کی راہ پر گامزن ہونا تو دور کی بات ہے۔ لہٰذا ہمیں غور کرنا چاہئے کہ مزید تباہ ہونا ہے یا پھر ترقی کرنی ہے؟ اگر ترقی کرنی ہے تو اسلامی شعار کے ساتھ ساتھ علم کے میدان میں، سائنس کے میدان میں، تحقیق کے میدان میں، تجارت کے میدان میں اور سیاست کے میدان میں قوم بڑھ کر حصہ لے ان شاء اللہ العظیم کبھی بھی یہ قوم زوال پذیر نہیں ہوگی اور ترقی اور کامیابی بھی اس کے ہم رکاب رہے گی، دین کے دامن کو تھامنے کی وجہ سے اللہ عزوجل عظمت و سربلندی اور قدر و منزلت عطا فرمائے گا۔ ماضی ہمارا اتنا روشن و تابناک ہے کہ ہم ان تابناکیوں کو دیکھیں اور اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں تو روئے زمین، خاص طور پر مدینہ منورہ مومنوں کے لئے فیض رساں اور عروج و ارتقا کی سرزمین بن جائے گا۔

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! آپ نے گزشتہ صدی میں مسلمانوں کے دینی حالات کے حوالہ سے جانکاری حاصل کی۔ اب آئیے گزشتہ صدی میں مسلمانوں کے احوال کا دنیوی جائزہ لیں، گزشتہ صدی میں مسلمانوں کے دنیوی حالات بے پناہ بہتر تھے، زراعت ان کے قبضے میں تھی، کاشتکاری ان کا کام تھا، مالی اعتبار سے کافی خوش حالی تھی اور ساتھ ہی ساتھ تعلیم کے معاملے میں اور حکومت کے مختلف شعبوں میں بھی مسلمانوں کی نمائندگی اچھی تھی لیکن تعلیم کے فقدان اور دین سے رشتہ کمزور ہونے کی وجہ سے دینی و دنیوی اعتبار سے جو مسلمانوں میں زوال آیا وہ نگاہوں کے سامنے ہے۔ زراعت، معیشت کے اندر مسلمان اب پہلے کے مقابلے میں کافی کمزور واقع ہوئے ہیں، مالی اعتبار سے مسلمان غیروں کے بوجھ تلے دبے نظر آتے ہیں، آج بچوں کی تعلیم کے لئے امت مسلمہ کے پاس دولت نہیں ہے، رہائش کے لئے صحیح طور پر مکان موجود نہیں ہے اور سرکاری ملازمت کا جہاں تک مسئلہ ہے وہ بھی انتہائی سنگین ہے کہ تعلیمی معیار کمزور ہونے کی وجہ سے اور مذہبی تعصب و تنگ نظری کی وجہ سے آج مسلمان حکومت کے مختلف شعبوں میں خال خال نظر آتے ہیں۔

آخر یہ زوال کیوں کر شروع ہوا اس کے وجوہات پر غور کریں۔ مسلمانوں نے ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے ترقی کے صرف معمولی وسائل پر اپنی پکڑ مضبوط کی اور عروج و ارتقا

کے بیشتر امکانات سے بے پرواہ ہوکر پیش قدمی شروع کی، تعلیم کی جانب تو بالکل توجہ نہیں دی اور نہ ہی اپنے اسلاف کی خدماتِ جلیلہ کو بروئے کار لانے کی کوشش کی۔

تعلیم کی جانب قابلِ قدر توجہ نہ دینے اور دولت وثروت میں بے جا فضول خرچی کی وجہ سے ان کی بے وقعتی میں اضافہ ہوتا گیا، ناخواندگی کے سبب ان کی پوزیشن دفاعی ہوگئی اور وہ ہر میدان میں غیروں کے آلۂ کار بن گئے اور اپنا دینی وملی اثر ورسوخ کھودیا۔ جب کہ پہلے کے مسلمانوں میں یہ جذبۂ بے کراں ضرور کارفرما ہوتا کہ کم ازکم وہ اپنے دینی بھائیوں کے لئے ترقی کی راہیں ہموار کریں اور انہیں صاحبِ روزگار، صاحبِ حیثیت بنانے کی ہر ممکن کوشش کریں اور وحدت واجتماعیت کے ساتھ کام کرنے کے لئے آپسی معاہدہ کریں اور شعائرِ اسلام اور مذہبی شناخت کے تحفظ وبقا کے لئے ممکنہ لائحۂ عمل مرتب کرنے کے ساتھ ساتھ پوری قومِ مسلم کو اس کی اہمیت وافادیت اور ضرورت وحاجت سے آگاہ کریں۔ لیکن آج مسلمانوں کے حالات انتہائی سنگین صورت اپنائے نظر آتے ہیں، عیش وعشرت اور شیطانی حرکت وعمل نے انہیں بے غیرت بنا کر رکھ دیا اور ان کے دلوں سے ایمانی جذبہ نکال کر دنیاوی خواہشات کی آماج گاہ بنادیا، اس لئے نہ تو ان کی تجارت میں اچھی سرمایہ کاری ہوتی ہے اور باہمی اخوت وبھائی چارگی کے فقدان اور آپسی منافرت وچپقلش کی کالابازاری کے سبب نہ ہی ترقی کرتے نظر آتے ہیں۔ بدکرداری و بے حیائی کے سارے وسائل پر قابض ہونے کی لالچ میں اپنا سارا سرمایہ، ساری دولت غیروں کے ہاتھوں میں دے رہے ہیں۔ یہ امتِ مسلمہ کے لئے انتہائی مشکل ترین مرحلہ ہے۔

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! دین سے دوری کے سبب ہی ہم تنزلی کے شکار بھی ہوئے اور تعلیم کے فقدان کے سبب دولت کے صحیح استعمال کا طریقہ نہ جان سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دولت بے ڈھنگی خرچ ہوئی اور سارا سرمایہ دشمنوں کے ہاتھ میں پہنچ گیا اور ہم بے دست و پا ہوگئے۔ آج مقابلہ آرائی کے اس ماحول میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ قومِ مسلم دنیا کے رکھ رکھاؤ میں تو آگے نکلنے کی کوشش کررہی ہے لیکن مالی اعتبار سے دوسروں سے بہتر بننے کی کوئی کوشش نہیں کررہی ہے۔ آج تجارت کی منڈی میں اگر دیکھا جائے تو ہول سیل (Whole Sale)

کی ساری مارکیٹ پر غیروں کا قبضہ ہے، ساری منڈیوں پر غیروں کا تسلط ہے اور قومِ مسلم ایک مزدور کی حیثیت سے آج اپنی زندگی کی ساعتوں کو گزار رہی ہے۔

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! یہ سب دین سے دوری کا نتیجہ ہے، جب تک ہم دین سے قریب تھے اللہ عزوجل دولت ہمیں عطا فرماتا تھا اور دولت کے استعمال کا ڈھنگ بھی ہم اچھی طرح جانتے تھے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ہر اعتبار سے اپنے آپ کو بہتر بنانے کی کوشش کریں، مالی اعتبار سے خوشحال بنیں اور بینک کا قرض ہو یا سودی قرض ہو سب سے پہلے ان ساری چیزوں سے چھٹکارہ حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ محنت و مشقّت کے ساتھ کام کریں اور تجارت کو فروغ دینے کے لئے جد وجہد کریں۔ اگر ہم نے تجارت کے فروغ کے لئے جد وجہد کی اور نام ونمود اور اسراف سے اپنے آپ کو بچائے رکھا تو ہوسکتا ہے کہ آنے والے دنوں میں ہمارے اندر یہ لیاقت وصلاحیت پیدا ہوجائے کہ ہم اپنی قوم کے لئے، اپنے دین کے لئے، اپنے ملک کے لئے کچھ خدمات انجام دے سکیں اور زمین پر بوجھ بن کر زندگی گزارنے سے اپنی ذات کو محفوظ رکھیں۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم قوم کی فکری قیادت کے لئے افراد کا تعین کریں، سماج کے اندر پائی جانے والی کج روی کو دور کرنے کی کوشش کریں، صاحبِ فن کو مظاہرۂ فن کے مواقع فراہم کریں اور بے روزگاروں کو جائز ودرست روزگار کی راہ دکھائیں اور ہر طرح سے اپنی معاشی حالت، تعلیمی حالت کو مستحکم کرنے کی کوشش کریں۔

ان دنیوی حالات کو اگر ہم نے سدھارنے کی کوشش نہیں کی تو اچھی طرح سے یاد رکھیں کہ رسولِ گرامی وقار ﷺ نے فرمایا کہ مفلسی انسان کو کفر تک لے جاتی ہے، افلاس کی وجہ سے لوگ ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ آج ضرورت یہ بھی ہے کہ ہم خود بھی معاشی اعتبار سے مستحکم ہوں اور اپنی قوم کو بھی مستحکم کرنے کے لئے جدوجہد کریں۔

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! دنیوی حالات پر ایک مختصر سا تبصرہ میں نے آپ کے سامنے نئے سال کے آغاز سے پہلے پیش کردیا، اب آئیے چند فارمولے آپ کے

سامنے رکھوں، چند نکاتی پروگرام ماہِ محرم کے چاند سے پہلے آپ پڑھ لیں اور سال بھر اس فارمولے پر عمل کی کوشش کریں انشاء اللہ آپ خود دیکھیں گے کہ یہ سال ان فارمولوں پر عمل کرنے کی وجہ سے میرے کریم کے کرم سے اور اس کے پیارے محبوب ﷺ اور سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صدقہ و طفیل ضرور کسی حد تک فائدہ لیے نظر آئے گا۔

۱۔ نمازِ پنج گانہ کی پابندی کی جائے، اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہو کہ سید الشہداامام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وقتِ آخر بھی سجدہ ترک نہ کیا۔

۲۔ تلاوتِ قرآنِ مقدس کے لیے وقت مقرر کیا جائے اور بلا ناغہ ترجمہ وتفسیر کے ساتھ قرآن پڑھا جائے۔

۳۔ ملازمت میں ذمہ داری کا احساس، تجارت و کاروبار میں دیانت داری کا مظاہرہ ہو اور ہر طرح کی دھوکہ دہی، فریب کاری، خیانت و وعدہ خلافی سے آپسی معاملات کو پاک و صاف رکھا جائے۔

۴۔ تضییع اوقات سے حد درجہ اجتناب برتیں، لہو ولعب سے دور رہیں، وقت نکال کر دینی کتب و رسائل کا مطالعہ کریں۔

۵۔ اچھوں کی صحبت اختیار کریں، علمائے کرام کے بیانات سے استفادہ کریں، ہمیشہ نیک وصالح شخص کے ساتھ رہنے کی کوشش کریں۔

۶۔ ہمیشہ، ہا حال میں سچ بولیں، دروغ گوئی اور کذب بیانی کے قریب بھی نہ جائیں۔

۷۔ اپنے اچھے کردار و عمل سے ہر وقت قوم و ملت کو فائدہ پہنچانے کی جدوجہد کریں، ہرگز کوئی ایسا کام نہ کریں یا کوئی بات نہ بولیں جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے یا کسی کی دل شکنی ہو۔ اندازِ گفتگو شائستہ ہو اور ہر کسی کے ساتھ حسنِ سلوک کریں۔

۸۔ حصولِ روزی کے ناجائز طریقۂ کار سے خود بھی دور رہیں اور دوسروں کو دور رہنے کی تلقین کریں۔

۹۔ اپنا کام خود کرنے کی کوشش کریں اور ہرگز دوسروں پر بوجھ نہ بنیں بلکہ غیروں کا ہاتھ

بٹائیں اور اپنے بھائیوں کی نصرت و اعانت میں کوتاہی نہ کریں۔

۱۰۔ ہر قسم کے تیز مشروبات و ماکولات اور نشہ آور اشیا سے سختی سے باز رہیں اور حرام و حلال میں تمیز کرنے کا جذبہ پیدا کریں۔

۱۱۔ بچوں کی تعلیم و تربیت پر خاص دھیان دیں، انہیں عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم سے ضرور آراستہ کریں، گھر کا ماحول اسلامی بنائیں اور ہرگز خلافِ شرع کام کے قریب نہ پھٹکیں، بچوں کی مناسب رہنمائی کے لئے خوب خوب وقت نکالیں اور انہیں ہر کام میں وقت کا پابند بنائیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے مثبت اثرات بہت جلد آشکارا ہوں گے۔

۱۲۔ بچوں کے سامنے والدین آپسی نوک جھونک سے مکمل پرہیز کریں اور ہرگز ان کے سامنے ایسا کام نہ کریں جس کا وہ غلط اثر لیں، کیوں کہ ماں، باپ ہی ان کے لیے آئیڈیل ہیں، خود غلط لوگوں کی صحبت اختیار نہ کریں اور اپنے بچوں کو ناکارہ، بے ہودہ لڑکوں کے ساتھ نہ رہنے دیں، اگر آپ نے اسے کھلی چھوٹ دی تو بروزِ قیامت ضرور آپ سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

۱۳۔ اولاد کو چاہئے کہ اپنے ماں، باپ کی فرمانبرداری اور ان کی اطاعت میں ہرگز کوتاہی نہ کریں اور اپنے قول و فعل سے انہیں ذرہ برابر کوئی تکلیف نہ پہنچائیں۔

۱۴۔ والدین کو چاہئے کہ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت پر خاص دھیان دیں اور انہیں ہر ایسا قدم اٹھانے سے باز رکھیں جو بے حیائی، بدکرداری کی طرف لے جانے والا ہو۔ شروع ہی سے انہیں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی تلقین کرتے رہیں اور خود غیر اسلامی طریقۂ کار کو اپنانے سے گریز کریں۔

یہ چند چیزیں ہیں جو مدینۂ منورہ میں رحمتِ عالم ﷺ کے صدقے میرے ذہن میں آئیں اور میں نے آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ علمائے اہلسنت کی صحبت سے استفادہ کا وقت نکالنے کی کوشش کریں، انشاء اللہ العظیم حکمت و دانائی کی چند باتیں

دلوں کے گلشن کو مہکا دیں گی۔اسی طریقہ سے سُنّی دعوتِ اسلامی کے اجتماعات میں پابندی سے پہنچنے کی کوشش کریں کہ ذکرِ الٰہی سے دلوں کا زنگ دور ہوتا ہے اور تصور ہی تصور میں ہر ہفتہ مدینہ کی حاضری کی خیرات مل جاتی ہے۔

ان ساری چیزوں کو سمجھ لینے کے بعد آیئے ۱۴۲۸ھ کا پہلا مہینہ ماہِ محرم شریف کے استقبال کے حوالے سے کچھ جانکاری حاصل کرتے ہیں اور اس پر عمل کرنے کے لئے بارگاہِ صمدیت میں دعا کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل ہمیں ماہِ محرم شریف کے استقبال کی کماحقہٗ توفیق عطا فرمائے۔اب پڑھیں ماہِ محرم کا استقبال کیسے کریں؟

ماہ محرم کا استقبال کیسے کریں؟

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! یہ ہمارا دستور ہے کہ جب ہمارے یہاں کوئی باعزت اور باعظمت ذات کی آمد ہوتی ہے تو ہم اس کا گرمجوشی سے استقبال کرتے ہیں، اسی طرح ہمیں ماہِ محرم الحرام کی آمد پر بھی اس کا استقبال کرنا چاہئے، اس کے استقبال کا طریقہ یہ ہے کہ جب اس مہینے کی ابتدا ہو اور اس کا چاند نظر آجائے تو مندرجہ ذیل دعا پڑھی جائے، اس دعا کی برکت سے اللہ عزوجل ہمیں پورے سال خیر و برکت عطا فرمائے گا:

”اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْاَبَدِیُّ الْقَدِیْمُ وَ ھٰذِہٖ سَنَۃٌ جَدِیْدَۃٌ اَسْئَلُکَ فِیْھَا الْعِصْمَۃَ مِنَ الشَّیْطٰنِ وَ اَوْلِیَآئِہٖ وَ الْعَوْنَ عَلٰی ھٰذِہِ النَّفْسِ الْاَمَّارَۃِ بِالسُّوْءِ وَ الْاِشْتِغَالَ بِمَا یُقَرِّبُنِیْ اِلَیْکَ یَا کَرِیْمُ“ اے اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ رہنے والا قدیم ہے اور یہ نیا سال ہے، میں اس میں شیطان اور اس کے ساتھیوں سے بچاؤ کی تجھ سے دعا کرتا ہوں اور جو برائی کا بہت زیادہ حکم دینے والے نفس کے مقابلہ میں نصرت و اعانت کا اور ایسے اعمال میں مشغول ہونے کا سوال رکھتا ہوں جو مجھے تیرے قریب کردیں، اے مہربان اللہ۔

اس دعا کی فضیلت یہ ہے کہ جو شخص محرم الحرام کا چاند دیکھ کر اسے پڑھتا ہے شیطان کہتا ہے کہ ہائے ہم اس شخص سے ناامید ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ اس دعا کے پڑھنے والے پر دو فرشتے مقرر فرما دیتا ہے جو پورے سال اس کی نگہبانی کرتے رہتے ہیں۔ (زینۃ المحافل ۱/۵۹۵)

دو رکعت نماز

محرم کی پہلی تاریخ کو دن میں دو رکعت نماز پڑھے، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص تین بار پڑھے، بعد سلام کے ہاتھ اُٹھا کر یہ دعا پڑھے:

”اَللّٰھُمَّ اَنْتَ اللّٰہُ الْفَرْدُ الْاَبَدُ الْقَدِیْمُ ھٰذِہٖ سَنَۃٌ جَدِیْدَۃٌ اَسْئَلُکَ فِیْھَا الْعِصْمَۃَ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ وَ الْاَمَانَ مِنَ السُّلْطَانِ الْجَابِرِ وَ مِنْ شَرِّ کُلِّ ذِیْ شَرٍّ مِّنَ الْبَلَایَا وَ الْاٰفَاتِ وَ اَسْئَلُکَ الْعَوْنَ وَ الْعَدْلَ عَلٰی ھٰذِہِ النَّفْسِ الْاَمَّارَۃِ بِالسُّوْءِ وَ الْاِشْتِغَالَ بِمَا یُقَرِّبُنِیْ اِلَیْکَ یَا بَرُّ یَا رَءُوْفُ یَا رَحِیْمُ یَا ذَاالْجَلَالِ وَ الْاِکْرَامِ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ“

صاحبِ جواہرِ عینی فرماتے ہیں جو شخص اس نماز اور دعا کو پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے اوپر دو فرشتے موکل کرے گا تاکہ وہ مدد کریں اس کے کاروبار میں اور شیطان لعین کہتا ہے کہ افسوس میں ناامید ہوا اس شخص سے تمام سال تک۔ (راحت القلوب، ص:۲۲۳، جواہرِ عینی)

ماہِ محرم الحرام شریف کی عظمت کے بیان کے بعد اب شہیدِ اعظم حضرتِ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ شروع کرنے جارہے ہیں جو اس ماہ کی عظمتوں کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔

تذکرۂ شہیدِ اعظم رضی اللہ عنہ

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! ماہِ محرم الحرام کی جہاں متعدد خصوصیات ہیں کہ یہ مہینہ کئی انبیائے کرام سے متعلق ہے، اس ماہ میں روزہ رکھنا، عبادت کرنا، نوافل پڑھنا، شب بیداری کرنا بے شمار فضائل و برکات کا حامل ہے وہیں یہ مہینہ ایک ایسی عظیم ذات کی یاد بھی تازہ کرتا ہے جنہیں ہم جگر گوشۂ رسول، امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔اسی مہینے میں آپ نے اللہ کی راہ میں بے شمار مصائب و آلام کو برداشت کیا تھا، آپ کی آنکھوں کے سامنے آپ ہی کے گلشن کو تاخت و تاراج کیا گیا اور آپ نے صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے خدا کے دین کے لئے، اعلائے کلمۃ الحق کے لئے اپنی

گردن کٹادی اور زباں سے کوئی گلہ نہ کیا۔ لہٰذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ ان کے یومِ شہادت پر ان کا ذکرِ خیر کریں اور ان کے نام اور ان کے ساتھ جامِ شہادت نوش کرنے والے تمام نفوسِ قدسیہ کے نام نذر و نیاز کر کے اپنی عقیدت اور محبت کا ثبوت دیں اور خاص کر یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ وہ کونسا مقصد تھا جس کے حصول کے لئے نواسۂ رسول ﷺ کو جامِ شہادت نوش کرنا پڑا اور وہ کون سا مشن تھا جس کو باقی رکھنے کے لئے انہوں نے اپنا سب کچھ حتی کہ اپنے اقربا و احبا اور خود اپنی جان تک کو قربان کر دیا۔ چنانچہ حضرتِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کے کچھ حالات و واقعات، احادیث مبارکہ میں وارد آپ کے کچھ فضائل قلمبند کئے جا رہے ہیں، اس امید پر کہ اس کتاب کو پڑھنے والے ان کی زندگی کے گوشوں کو اپنے لئے رہنما اصول بنا کر دنیا اور آخرت میں کامیابی کی راہ پر گامزن ہو جائیں۔

بشارت سرور کونین ﷺ

حضور اقدس نبیِ رحمت ﷺ کی چچی حضرت ام الفضل بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آج رات میں نے ایک خوف ناک خواب دیکھا ہے۔ حضور نے فرمایا: وہ کیا ہے؟ تو وہ بولی کہ وہ بہت سخت ہے (جسے بیان نہیں کیا جا سکتا) حضور ﷺ نے فرمایا: بیان کرو! تو عرض کیا: میں نے دیکھا ہے کہ آپ کے جسم مبارک کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھ دیا گیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تم نے اچھا خواب دیکھا ہے (اس کی تعبیر یہ ہے کہ) انشاء اللہ تعالیٰ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بیٹا پیدا ہوگا جو تمہاری گود میں رکھا جائے گا، (حضرت اُم الفضل فرماتی ہیں) حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں حضرت امام حسین تولّد ہوئے اور وہ میری گود میں دئے گئے۔ (مشکوٰۃ شریف صفحہ۵۷۲)

ولادت پاک

حضور سرورِ کائنات ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق مدینہ طیبہ میں ۴ھ شعبان المعظم کو آپ کی ولادت مبارکہ ہوئی۔ آپ کی تاریخ ولادت کے بارے میں اختلاف ہے کہ شعبان

کی تین، چار یا پانچ ہے۔ آپ کی ولادت کی خوشخبری سن کر حضور رحمت عالم نورِ مجسم ﷺ بہت خوش ہوئے، آپ کو گود میں اٹھا کر پیار کیا، داہنے کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی اور اپنی زبان مبارک آپ کے منھ میں دی، ساتویں دن دو مینڈھوں کی قربانی کے ساتھ آپ نے عقیقہ کیا اور حسین کے نام سے موسوم فرمایا۔

اسم گرامی اور نسب نامہ

آپ کا اسم گرامی حسین اور کنیت ابو عبد اللہ ہے اور سِبطِ رسول، رَیحانۃ الرسول، قُرۃُ العین، سید، طَیّب، آپ کے القاب ہیں۔ نسب اس طرح ہے: حسین بن علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف قرشی ہاشمی۔

شکل وصورت

حضرتِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر حسین و جمیل تھے کہ جب آپ اندھیرے میں بیٹھتے تو لوگ آپ کی جبینِ اقدس کی شعاعوں اور چہرۂ انور کی روشنی میں راستہ دیکھ لیتے، حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سینۂ اقدس سے پاؤں تک حضور ﷺ سے کمالِ مشابہت رکھتے تھے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "اَلْحَسَنُ اَشْبَہُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ مَا بَیْنَ الصَّدْرِ اِلَی الرَّأسِ وَ الْحُسَیْنُ اَشْبَہُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ مَا کَانَ اَسْفَلَ مِنْ ذٰلِکَ"، یعنی حسن سر سے لے کر سینے تک حضور ﷺ سے مشابہت رکھتے تھے جبکہ حسین سینے سے پاؤں تک حضور ﷺ کے مشابہ تھے۔ (ترمذی، ج:۲، ص:۲۱۸، مشکوٰۃ ص ۵۷۱)

بچپن کیسا تھا؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ایک سفر میں ہم حضور ﷺ کے ہمراہ تھے، چلتے ہوئے آپ نے حضرت حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے رونے کی آواز سنی تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: بچے کیوں روتے ہیں؟ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! پیاس کی وجہ سے۔ آپ نے سب کو آواز دے کر ارشاد فرمایا: کسی کے پاس پانی ہے؟ مگر

پانی کسی کے پاس نہیں تھا، آپ نے حضرتِ سیدہ سے فرمایا ایک کو مجھے دو، انہوں نے دے دیا ”فَاَخَذَهٗ فَضَمَّهٗ اِلٰى صَدْرِهٖ وَهُوَ يَضْغُوْ مَا يَسْكُتُ فَاَوْلَعَ لَهٗ لِسَانَهٗ فَجَعَلَ يَمُصُّهٗ حَتّٰى هَدَا وَسَكَنَ فَلَمْ اَسْمَعْ لَهٗ بُكَآءً وَّالْاٰخَرُ يَبْكِيْ كَمَا هُوَ مَايَسْكُتُ فَقَالَ نَاوِلِيْنِيْ الْاٰخَرَ فَنَاوَلَتْهُ اِيَّاهُ فَفَعَلَ بِهٖ كَذٰلِكَ فَسَكَتَا فَمَا اَسْمَعُ لَهُمَا صَوْتًا“ آپ نے ان کو لے کر اپنے سینے سے لگایا، وہ اس وقت بہت رو رہے تھے تو آپ نے ان کے منہ میں اپنی زبان ڈال دی وہ چوسنے لگے یہاں تک کہ ان کو تسکین ہوگئی اس کے بعد وہ نہیں روئے اور دوسرے بدستور رو رہے تھے، فرمایا اس کو بھی مجھے دو، انہوں نے دے دیا تو آپ نے ان کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا۔ چنانچہ وہ دونوں تسکین پا کر چپ ہوگئے، اس کے بعد ان کے رونے کی آواز نہیں سنی گئی۔ (ذکر جمیل بحوالہ طبرانی، ابن عساکر)

مجدد اعظم امام احمد رضا خان قدس سرہ فرماتے ہیں ؎

شہد خوارِ لعابِ زبانِ نبی　　چاشنی گیرِ عصمت پہ لاکھوں سلام

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! جہاں اس واقعہ سے حضور سرورِ کونین ﷺ کی زبانِ اقدس کے اعجاز کا پتہ چلتا ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضراتِ حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی پریشانی حضور سرورِ کائنات ﷺ ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ بلاشبہ وہ لوگ جنہوں نے انہیں تکلیف پہنچائی دراصل انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ناراض کیا۔

آقائے دو جہاں ﷺ کی پشت پر

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا ”طَرَقْتُ النَّبِيَّ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ فِيْ بَعْضِ الْحَاجَةِ فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ وَهُوَ مُشْتَمِلٌ عَلٰى شَيْءٍ لَّا اَدْرِيْ مَا هُوَ فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنْ حَاجَتِيْ قُلْتُ مَا هٰذَا الَّذِيْ اَنْتَ مُشْتَمِلٌ عَلَيْهِ؟ فَكَشَفَهٗ فَاِذَا الْحَسَنُ وَ الْحُسَيْنُ عَلٰى وَرِكَيْهِ فَقَالَ هٰذَانِ اِبْنَايَ وَ اِبْنَا اِبْنَتِيْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُحِبُّهُمَا فَاَحِبَّهُمَا وَ اَحِبَّ مَنْ يُّحِبُّهُمَا“ میں ایک رات نبیِ کریم ﷺ کے پاس کسی کام سے گیا، نبیِ کریم ﷺ باہر تشریف لائے جب کہ آپ کچھ لئے ہوئے تھے، مجھے معلوم نہیں وہ کیا چیز

تھی۔ جب میں اپنی ضرورت سے فارغ ہوا میں نے کہا یہ آپ کیا لئے ہیں؟ تو آپ نے اسے کھول دیا، میں نے دیکھا کہ امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ کی پشت پر تھے۔ آپ نے فرمایا اے اللہ! یہ دونوں میرے بیٹے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں، اے اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں اور ان لوگوں سے بھی محبت کرتا ہوں جو ان سے محبت کرتے ہیں۔ (ترمذی ۲/۲۱۷، مشکوۃ)

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کیا عظیم شان ہے کہ حضور مالکِ کونین ﷺ نہ صرف یہ کہ آپ سے بے انتہا محبت فرماتے ہیں بلکہ اپنے خالق و مالک اللہ عزوجل سے بھی عرض کرتے ہیں ”اے اللہ! حسین میرے محبوب ہیں، تو بھی انہیں اپنا محبوب بنا لے“۔ اسی لئے رسولِ اعظم ﷺ کا کلمہ پڑھنے والے ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت کو اپنا ایمانی فریضہ سمجھے، کیوں کہ ان کی محبت دراصل محبوبِ خدا ﷺ کی محبت ہے۔

بیٹا رہے یا نواسا؟

ایک دن حضور رحمتِ عالم ﷺ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے دائیں بازو اور اپنے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بائیں بازو پر بٹھائے ہوئے تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا: اللہ تعالیٰ ان دونوں کو آپ کے یہاں یک جانہ رہنے دے گا، ان میں سے ایک کو واپس بلا لے گا۔ اب ان میں سے آپ جسے چاہیں پسند فرمالیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر حسین وفات پا جائیں تو ان کے غم میں حضرتِ فاطمہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور مجھے تکلیف ہوگی اور ابراہیم وفات پا جائیں تو زیادہ الم میری ہی جان پر ٹوٹے گا، اس لئے مجھے اپنا ہی غم پسند ہے۔ اس واقعہ کے تین دن بعد حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا بعد ازاں جب بھی حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں آتے تو حضور ﷺ ان کی پیشانی پر بوسہ دیتے اور خوش آمدید کہتے ہوئے فرماتے: مرحبا اے حسین! میں نے تم پر اپنے بیٹے کو قربان کر دیا ہے۔ (شواہد النبوۃ ص ۳۰۴)

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! کیا اس سے بڑھ کر بھی محبت کی کوئی دلیل

ہوسکتی ہے؟ ہر انسان کو اپنی اولاد محبوب ہوتی ہے، لیکن یہاں تو معاملہ کچھ اور ہی ہے، جب بیٹے اور نواسے کے درمیان انتخاب کا مسئلہ آیا تو حضور ﷺ نے اپنے عزیز صاحبزادے حضرتِ ابراہیم کو اپنے پیارے نواسے پر قربان کر دیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ علمِ رسول ﷺ میں یہ بات تھی کہ دین کی آبیاری کے لئے میرا حسین اپنی متاعِ زیست اور اپنے اعوان وانصار کو قربان کرے گا اور اسی قربانی کے لئے یہ تربیت ہو رہی تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر مسلمان کو ان سے اور ان کے محبوبین سے محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خطاب مکمل نہ فرمایا

حضرتِ بُریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا "کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَخْطُبُنَا اِذْ جَآءَ الْحَسَنُ وَ الْحُسَیْنُ عَلَیْھِمَا قَمِیْصَانِ اَحْمَرَانِ یَمْشِیَانِ وَ یَعْثُرَانِ فَنَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مِنَ الْمِنْبَرِ فَحَمَلَھُمَا وَ وَضَعَھُمَا بَیْنَ یَدَیْہِ ثُمَّ قَالَ صَدَقَ اللّٰہُ 'اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَ اَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ' نَظَرْتُ اِلٰی ھٰذَیْنِ الصَّبِیَّیْنِ یَمْشِیَانِ وَ یَعْثُرَانِ فَلَمْ اَصْبِرْ حَتّٰی قَطَعْتُ حَدِیْثِیْ وَ رَفَعْتُھُمَا" رسولِ کونین ﷺ ہم سے خطاب فرما رہے تھے کہ حضرتِ امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما لال رنگ کی قمیصیں پہنے ہوئے گرتے پڑتے آ رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ منبر سے نیچے تشریف لائے اور ان حضرات کو اٹھا کر اپنے سامنے بٹھا دیا پھر ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا "تمہارے مال اور تمہاری اولاد نری آزمائش ہیں" میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا کہ گرتے پڑتے آ رہے ہیں تو میں برداشت نہ کر سکا یہاں تک کہ میں نے اپنی گفتگو کو منقطع کر کے انہیں اٹھا لیا۔ (ابوداؤد، ترمذی، ۲/۲۱۸)

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! حدیثِ مبارکہ میں "یَخْطُبُنَا" کا لفظ آیا ہے، اس سے اشارہ ملتا ہے کہ وہ جمعہ کا دن تھا اور جمعہ کی نماز کا وقت تھا، سخت کڑی دھوپ تھی، ایسے عالم میں حضراتِ حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما ننگے پیر جب خاتونِ جنت کے گھر سے نکل کر گرم ریت پر گرتے پڑتے چلنے لگے تو یہ منظر دیکھ کر حضور رحمتِ عالم ﷺ بے چین ہو گئے اور فوراً منبرِ اقدس سے اتر کر انہیں آغوشِ نبوت میں لے لیا۔ یقیناً اس وقت نگاہِ نبوت کے

سامنے کربلا کا وہ خونیں منظر آیا ہوگا اور آپ نے یہ سوچا ہوگا کہ جمعہ ہی کے دن نمازِ جمعہ کے وقت سخت گرم دھوپ میں میرا یہ حسین پیکرِ صبر واستقامت بن کر تحفظِ اسلام کے لئے اپنی جان قربان کر رہا ہوگا۔ اسی خیال نے آپ کو اس قدر مضطرب کیا کہ آپ نے خطبہ کو موقوف فرما دیا اور نیچے تشریف لے آئے اور دنیا کو یہ بھی بتا دیا کہ آج میں حسین کو گرنے نہیں دے رہا ہوں، کل یہ میرے دین کو گرنے نہیں دیں گے اور دنیا نے دیکھا کہ جمعہ ہی کے دن امام عالی مقام نے دین کی سربلندی کے لئے اپنے سر کو قربان کر دیا۔

جبریلِ امین کی حمایت

ایک روز حضرتِ امام حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کشتی لڑنے لگے، سید العالمین ﷺ اس کشتی کو ملاحظہ فرما کر کہہ رہے تھے "حسن! حسین کو پکڑو"۔ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا عرض کرنے لگیں یا رسول اللہ ﷺ آپ حسن سے فرماتے ہیں حسین کو پکڑو جب کہ حسین چھوٹا ہے تو سید العالمین ﷺ نے فرمایا: جبریل حسین سے فرماتے ہیں کہ حسن کو پکڑو۔ (شواہد النبوۃ)

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! یہ واقعہ بتا رہا ہے کہ حسنین کریمین سے صرف حضور ﷺ ہی نہیں بلکہ اللہ رب العزت اور جبرئیلِ امین سب سے سب محبت فرماتے ہیں لہٰذا ہم کو بھی چاہئے کہ اپنے دل میں حسنین کریمین کی محبت کو بسائیں تا کہ اللہ عزوجل اور اس کے پیارے رسول ﷺ کی رضا حاصل ہو۔

ہرنی کی فداکاری

مروی ہے کہ ایک بدوی نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ہرنی کا ایک بچہ نذر کیا، اتنے میں حضرتِ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے، آپ نے ہرنی کا بچہ ان کو دے دیا، جب امام حسین نے دیکھا تو پوچھا برادرِ معظم! یہ کہاں سے لائے ہو؟ کہا نانا جان نے دیا ہے۔ امام حسین بھی ہرنی کا بچہ لینے کے لئے خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور ضد کرنے لگے آپ نے بہت بہلایا مگر نہ مانے۔ قریب تھا کہ امام کی آنکھوں میں آنسو آجائیں کہ ہرنی اپنے ساتھ ایک بچہ لے کر حاضر ہوئی اور عرض کیا سرکار! میرا ایک بچہ بدوی نے حاضر خدمت کر دیا ہے

یہ دوسرا بچہ بحکم خداوندی حسین کے لئے حاضر ہے کہ حسین بچہ طلب فرما رہے تھے۔

(روضۃ الشہدا، ج:۲،ص:۲۶،بحوالہ کنز الغرائب)

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! سبحان اللہ! معلوم ہوا کہ جانور بھی حضرتِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کرتے ہیں اور ان کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کر کے خدا کی رضا چاہتے ہیں۔لیکن افسوس صد افسوس کہ وہ کس قسم کے انسانی بھیڑیئے تھے جنہوں نے آپ کو مع افرادِ خاندان کے شہید کیا اور اللہ تعالیٰ کے قہر و عذاب کے مستحق ہوئے۔

جنتی کپڑے

روایت ہے کہ عید کی چاند رات کو حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنی والدہ محترمہ کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا امی جان! صبح عید کا دن ہے، مدینہ والوں کے بچے نئے نئے لباس پہنیں گے۔کیا امام الانبیا اور خاتونِ جنت کے شہزادے نئے کپڑے نہ پہنیں گے؟ بچوں کے سوال سے ماں کی ممتا تڑپ اٹھی، بچوں کو تسلی دی کہ میرے بیٹو! کوئی فکر کی بات نہیں، تمہیں بھی نئے جوڑے مل جائیں گے۔سیدۃ نساء العالمین خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نماز سے فارغ ہو کر بارگاہِ رب العزت میں عرض کیا: مولیٰ تیرے محبوب نبی کے نواسوں نے مجھ سے نئے کپڑے مانگے ہیں، میں نے ان سے وعدہ کر لیا ہے، اے مولیٰ! میرے اٹھے ہوئے ہاتھوں کی لاج رکھ لے۔

دعا سے فارغ ہوئیں تو کسی نے دروازے پر دستک دی۔پوچھا کون؟ آنے والے نے جواب دیا اہل بیت کا درزی شہزادوں کے لئے نئے کپڑے لے کر آیا ہے۔حضرتِ سیدہ نے وہ کپڑے لے لئے اور صبح دونوں شہزادوں کو پہنا دئے۔سرکارِ دو عالم ﷺ تشریف لائے تو فرمایا بیٹی! کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ کپڑے کہاں سے اور کون لے کر آیا تھا؟ عرض کیا ابا جان! آپ ہی بتا دیں۔تو آپ نے فرمایا وہ جبرئیلِ امین تھے جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے جنت سے کپڑے لے کر حاضر ہوئے تھے۔ (روضۃ الشہدا، ج:۲،ص:۱۳۸)

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! حضراتِ حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما

کی عظمت پر قربان جائیے کہ ان کی خواہشات کا ربِ تعالیٰ بھی احترام فرماتا ہے اور ان کی ناراضگی رب تعالیٰ کو بھی گوارا نہیں۔یہی وجہ ہے کہ عید کے روز جب انہوں نے خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نئے کپڑوں کا مطالبہ کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے لئے جنت سے کپڑے بھیج دئے۔

جنت کا سیب

حضرت علامہ نسفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضراتِ حسنین کریمین نے دو تختیاں لکھیں، ہر ایک نے کہا ہماری تحریر اچھی ہے۔دونوں فیصلے کے لئے اپنے باپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے گئے۔آپ نے بڑے بڑے حیرت انگیز فیصلے فرمائے ہیں مگر یہ فیصلہ نہ فرما سکے اس لئے کہ کسی صاحبزادے کی دل شکنی منظور نہ تھی۔فرمایا کہ اپنی ماں کے پاس لے جاؤ۔دونوں شہزادے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا امی جان! آپ فیصلہ فرما دیں کہ ہم میں سے کس نے اچھا لکھا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں فیصلہ نہیں کر سکوں گی۔اس معاملہ کو تم اپنے نانا جان کے پاس لے جاؤ۔شہزادے حضور ﷺ کی خدمت میں آ گئے اور عرض کیا: نانا جان! آپ فیصلہ فرما دیں کہ ہم میں سے کس کی تحریر اچھی ہے؟ ساری دنیا کا فیصلہ فرمانے والے حضور نے سوچا کہ اگر حسن کی تحریر کو اچھا کہوں تو حسین کو ملال ہوگا اور حسین کی تحریر کو اچھا کہوں تو حسن کو رنج ہوگا اور کسی کا رنجیدہ ہونا انہیں گوارا نہیں تھا اس لئے آپ نے فرمایا کہ اس کا فیصلہ جبرئیل علیہ السلام کریں گے۔حضرت جبرئیل بحکم رب جلیل نازل ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اس کا فیصلہ خداوند قدوس فرمائے گا، میں اس کے حکم سے ایک سیب لایا ہوں۔اس نے فرمایا ہے کہ میں اس جنتی سیب کو تختیوں پر گراؤں جس تختی پر یہ سیب گرے گا فیصلہ ہو جائے گا کہ اس کی تحریر اچھی ہے۔اب دونوں تختیاں اکٹھا رکھی گئیں اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اوپر سے ان تختیوں پر سیب گرایا۔اللہ تعالیٰ کے حکم سے راستہ ہی میں سیب کٹ کر آدھا ایک تختی پر اور دوسرا دوسری تختی پر گرا۔اس طرح احکم الحاکمین جل جلالہ نے فیصلہ فرما دیا کہ دونوں شہزادوں کی تحریریں اچھی ہیں اور کسی ایک کی تحریر کو اچھی قرار دے کر

دوسرے کی دل شکنی گوارا نہ فرمایا۔ (نزہۃ المجالس ص۳۹۰ ج۲)

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! معلوم ہوا کہ حضرتِ امام حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک خاص قرب حاصل ہے، جبھی تو اللہ عزوجل نے یہ گوارا نہ فرمایا کہ ان میں سے کسی کی دل شکنی ہو اور رب کریم کو یہ کیوں کر گوارا ہوتا؟ کیوں کہ ان کی دل شکنی سے حضور ﷺ کے قلبِ اطہر کو ٹھیس پہنچتی جو رب کائنات ہرگز نہیں چاہتا۔

فرشتے کی حفاظت

ایک دن سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پریشانی کے عالم میں حاضر ہوئیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سبب معلوم کیا تو عرض گزار ہوئیں میرے دونوں لختِ جگر کہیں کھو گئے ہیں، نہ جانے اس وقت کہاں ہوں اسی اثنا میں جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا دونوں شہزادے فلاں مقام پر سو رہے ہیں اور ان کی حفاظت پر ایک فرشتہ مامور ہے نبی کریم ﷺ وہاں پہونچے دیکھا فرشتے نے ایک پر نیچے اور دوسرا اوپر رکھا ہوا ہے اور دونوں شہزادے آرام فرمائیں۔ حضور ﷺ نے ایک کو دائیں اور دوسرے کو بائیں کندھے پر اٹھایا اور چل دیئے، سرراہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! ایک صاحبزادہ مجھے دیجئے۔ آپ مسکرائے اور فرمایا ان کے لئے سواری دیکھئے کتنی عمدہ ہے اور یہ دو سوار کتنے اچھے ہیں۔ جب آپ مسجد شریف میں تشریف لائے تو صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا کیا میں تمہیں ایسے افراد بتاؤں جو تمام مخلوق سے اعلیٰ ہیں، عرض کیا: فرمایئے۔ کہا ان بچوں کے نانا اور نانی، صحابہ نے تصدیق کی پھر کہا ان کے نانا میں اور ان کی نانی خدیجۃ الکبریٰ ہیں، یہ سب سے بہتر ہیں پھر ان کے والدین سب سے بہتر ہیں جو علی اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں ان کے چچا اور پھوپھی بہتر ہیں چچا حضرت جعفر اور پھوپھی حضرت اُم ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہما، ان کی خالہ بہتر ہیں، ان کے ماموں بہتر ہیں۔ ان کی خالہ ہیں اُم کلثوم، رُقیہ اور حضرت زینب ان کے ماموں عبداللہ طیب وطاہر، قاسم وابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ (نزہۃ المجالس)

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! سبحان اللہ! کیا شان ہے؟ حضرات حسنین

کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی کہ اللہ کے معصوم فرشتے ان کی حفاظت ونگرانی کر رہے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دونوں شہزادے فرشتوں کے بھی مخدوم ہیں۔ پھر ہمارے لئے کیوں نہ لازم ہوگا کہ ان کی محبت اپنے دل میں بسائیں اور ان کے نقشِ قدم پر چل کر ان کو اپنا پیشوا اور مخدوم جانیں اور اسی میں اپنی سعادت سمجھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ذہانت امام حسین رضی اللہ عنہ

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر ایک مرتبہ ایک مہمان آئے، انہوں نے کھانے کے بعد شربت طلب کیا۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا کہ کون سا شربت درکار ہے؟ مہمان نے جواب دیا کہ وہ شربت جو نہ ملنے کے وقت جان سے زیادہ قیمتی ہو اور مل جانے کے وقت نہایت کم قیمت ہو۔ امام عالی مقام نے اپنے مُصاحبین سے فرمایا کہ مہمان کی مراد پانی ہے۔ تمام حاضرین آپ کی ذہانت پر انگشت بدنداں ہو گئے۔

(استقامت دسمبر ۱۹۷۹ شہادت حسین نمبر)

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! اس واقعہ سے آپ کا ذہین اور اعلیٰ ظرف ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہ درس بھی ملتا ہے کہ ہمیں پانی کی قدر کرنی چاہئے کیوں کہ اگرچہ یہ نعمت اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں بلا مشقت عطا فرمائی ہے لیکن بلاشبہہ ان تمام نعمتوں سے اشرف ہے جو محنت ومشقّت کے بعد حاصل ہوتی ہیں۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ اس کے اسراف سے بچیں اور اس عظیم نعمت پر رب تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس کا احترام کرنے اور اسراف سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خواہش رد نہ فرمائی

ایک مرتبہ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مقدس نانا سے مسجد میں اونٹ بننے کی خواہش ظاہر فرمائی۔ حضور سرور کائنات ﷺ نے اپنے پیارے نواسے کو پشت مبارک پر سوار کر لیا اور گھٹنوں اور ہاتھوں کے بل مسجد کے فرش پر چلنے لگے۔ حضرت امام حسین نے عرض کیا کہ اونٹوں کو تو مہار ہوتی ہے ہمارے اونٹ کی مہار کہاں ہے؟ حضور ﷺ نے فورا

اپنے گیسوان کے ننھے منے ہاتھوں میں دے دیئے، پھر انہوں نے عرض کیا: نانا مدینے کے اونٹ تو بولتے ہیں اور ہمارا اونٹ تو بولتا ہی نہیں، اس پر حضور سرور کائنات ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے دو مرتبہ ''العفو العفو'' فرمایا جو کہ اونٹ کی آواز سے مشابہ ہے۔ (ایضا)

جود و سخا کا اعلیٰ نمونہ

ایک روز ایک شخص نے حاضر ہو کر آپ سے عرض کیا کہ اے جگر گوشۂ رسول! میں ایک مفلس و نادار، بال بچوں والا آدمی ہوں، مجھے آپ اپنے پاس سے رات کے کھانے میں سے کچھ عطا فرمائیے۔ حضرت امام حسین نے فرمایا: بیٹھ جاؤ ابھی میرا رزق راہ میں ہے۔ کچھ دیر بعد حضرت امیر معاویہ کے پاس سے دیناروں کی پانچ تھیلیاں آئیں ہر تھیلی میں ایک ہزار دینار تھے، لانے والے نے عرض کیا کہ حضرت امیر معاویہ معذرت خواہ ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ فی الحال ان کو اپنے خدام پر خرچ فرمائیں مزید پھر حاضر کئے جائیں گے۔ حضرت امام پاک نے اس نادار و مفلس شخص کو وہ پانچوں تھیلیاں عنایت فرماتے ہوئے معذرت کی کہ بہت دیر تمہیں انتظار کرنا پڑا صرف اتنا ہی کمتر عطیہ ہے امید ہے کہ تم قبول کرو گے۔ ہم تو اہل ابتلا سے تعلق رکھتے ہیں ہم نے تو تمام دنیاوی ضرورتوں کو چھوڑ کر اپنی راحتوں کو فنا کر دیا ہے۔ (کشف المحجوب، ص:٦٣)

اسی طرح امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیمیائے سعادت میں حضراتِ حسنین کریمین کے جود و سخا کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ حضرتِ امام حسن اور حسین اور حضرتِ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہم حج کو جا رہے تھے۔ جس اونٹ پر زادِ راہ لدا ہوا تھا وہ اونٹ کہیں پیچھے رہ گیا، ایک جگہ بھوکے پیاسے ہو کر ایک بڑھیا کی جھونپڑی میں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ کچھ پینے کو ہے؟ اس نے عرض کی ہاں ہے، اس بڑھیا کے پاس ایک بکری تھی، اس کا دودھ دوہ کر حاضر کیا، انہوں نے پیا۔ پھر کہا: کھانے کو بھی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تیار نہیں ہے، اس بکری کو ذبح کر کے کھا لیجئے۔

چنانچہ وہ بکری ذبح کی گئی اور اسے کھا کر فرمایا بڑی بی! ہم قریش میں سے ہیں، جب اس سفر سے پھریں گے تو ہمارے پاس آنا ہم تیرے احسان کا بدلہ دیں گے، یہ فرما کر روانہ ہوگئے،

جب اس بڑھیا کا خاوند گھر پہنچا تو خفا ہو کر کہنے لگا کہ تو نے بکری ان لوگوں کو کھلا دی جن کو تو جانتی بھی نہیں کہ وہ کون ہیں۔

تھوڑے دن گزرے تھے کہ وہ میاں بیوی مفلسی کے باعث مدینہ منورہ آپڑے اور اونٹ کی لینڈیاں چن چن کر بیچنے لگے اور ایک دن بڑھیا کہیں جاتی تھی کہ حضرتِ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے درِ دولت پر تشریف فرما تھے، آپ نے اس بڑھیا کو دیکھ لیا اور پہچان لیا اور اسے بلا کر فرمایا، بڑی بی! مجھے پہچانتی ہو؟ اس نے عرض کیا نہیں، فرمایا میں وہ شخص ہوں جو فلاں دن تمہارا مہمان ہوا تھا۔ بڑھیا نے بغور دیکھا اور بولی ہاں ہاں پہچان گئی، واقعی آپ میری جھونپڑی میں تشریف لائے تھے، حضرتِ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم فرمایا کہ ایک ہزار بکریاں خرید کر اس بڑھیا کو دی جائیں اور ساتھ ہی ایک ہزار دینار نقد بھی دیا جائے۔ چنانچہ تعمیلِ ارشاد کی گئی اور بڑھیا کو ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار نقد دے دیا گیا اور پھر حضرتِ امام حسن نے اپنے غلام کو ساتھ کر کے اس بڑھیا کو حضرتِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیج دیا، حضرتِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے پوچھا کہ بھائی صاحب نے تمہیں کیا دیا؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار۔ حضرتِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار اس بڑھیا کو عطا فرمائے اور پھر آپ نے غلام کے ساتھ اس بڑھیا کو حضرتِ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیج دیا، انہوں نے پوچھا کہ دونوں بھائیوں نے تمہیں کیا دیا؟ وہ بولی دو ہزار بکریاں اور دو ہزار دینار۔ حضرتِ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس کو دو ہزار بکریاں اور دو ہزار دینار عطا فرما دئے۔ وہ بڑھیا چار ہزار بکریاں اور چار ہزار دینار لے کر اپنے خاوند کے پاس آ گئی اور کہنے لگی: یہ انعام ان سخیوں نے فرمایا ہے جن کو میں نے بکری کھلائی تھی۔ (کیمیائے سعادت، ص:٢٥٩)

میرے پیارے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! اہلِ بیتِ عظام کا گھرانہ سخی گھرانہ ہے، بڑھیا نے بغیر جانے پہچانے صرف ایک بکری کھلائی اور اہل بیت کی سخاوت سے مالا مال ہوگئی، پھر جوان پاک لوگوں کو پہچان کر ان کے نام کسی نیاز کا ایصالِ ثواب کرے گا تو وہ کیوں نہ دین و

دنیا میں کامیاب ہوگا۔اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اگر کوئی ہمارے ساتھ معمولی سی بھی بھلائی کرے تو اس کے احسان کو نہیں بھولنا چاہئے اور اگر اللہ تعالیٰ استطاعت عطا فرمائے تو جذبۂ احسان مندی سے سرشار ہو کر اپنے محسن کی امداد کر کے اسے خوش کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضراتِ حسنین کریمین کے صدقے جذبۂ امداد و تعاون عطا فرمائے۔

عفو و در گزر

ایک دن ایک غلام آپ کو وضو کروا رہا تھا کہ اچانک غلام کے ہاتھ سے لوٹا گر پڑا جس کی وجہ سے آپ کا چہرۂ انور زخمی ہو گیا، غصے سے غلام کی طرف دیکھا تو اس غلام نے کہا ''وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ'' اور غصہ پینے والے۔آپ نے فرمایا ''کَظَمْتُ غَیْظِیْ'' میں نے اپنا غصہ پی لیا، غلام نے پڑھا ''وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ'' اور لوگوں سے درگزر کرنے والے۔ آپ نے فرمایا میں نے تیرا قصور معاف کیا، تو غلام نے کہا ''وَ اللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ'' اور نیک لوگ اللہ کے محبوب ہیں۔تو آپ نے فرمایا ''اذھب فانت حر'' تو چلا جا، بے شک تو آزاد ہے۔ (درمنثور ۲/۳۷۳)

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! قرآن پڑھنا آسان ہے اور پیغام سُنانا بھی آسان ہے لیکن اس پر عمل کرنا یہ سب سے مشکل کام ہے جو امام حسین نے کر دکھایا۔

یہ عفو و درگزر کی کتنی بہترین مثال ہے، قرآنِ مقدس کا بھی یہی حکم ہے، قرآنِ کریم میں مختلف مقامات پر یہ درس دیا گیا ہے کہ اپنے دنیوی امور میں عفو و درگزر سے کام لو، چنانچہ فرمایا گیا ''فَاعْفُ عَنْھُمْ وَ اصْفَحْ'' یعنی انہیں معاف کرو اور درگزر و۔اس لئے ہمیں چاہئے کہ اگر کسی کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے یا کسی قسم کا نقصان ہو تو معافی و بخشش سے کام لیں۔اللہ تعالیٰ سارے مسلمانوں کو کردارِ حسین اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

آپ کے حسنِ اخلاق کے واقعات کے ساتھ ساتھ آپ کے فضائل جو احادیثِ کریمہ میں موجود ہیں۔اگلے صفحات میں انہیں ملاحظہ کریں اور امام عالی مقام کی عظمتوں کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

آپ کے فضائل و کمالات

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! حضرتِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے متعدد حدیثیں وارد ہیں، ہم موقع کی مناسبت سے چند حدیثیں نقل کر رہے ہیں، انہیں پڑھیں اور عنداللہ و عندالرسول امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کیا مقام و مرتبہ ہے اسے سمجھیں۔

حسین مجھ سے

حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پرنور ﷺ نے فرمایا: ''حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَاَنَامِنْ حُسَیْنٍ'' حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں۔

(ترمذی شریف:ص:۲۱۸، جلد دوم)

اس حدیث کا مطلب ہے کہ حسین کو حضور سے اور حضور کو حسین سے انتہائی قرب ہے گویا کہ دونوں ایک ہیں تو حسین کا ذکر حضور کا ذکر ہے، حسین سے دوستی حضور سے دوستی ہے، حسین سے دشمنی حضور سے دشمنی ہے اور حسین سے لڑائی کرنا حضور سے لڑائی کرنا ہے۔

ایک حدیث پاک میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت امام حسن اور حسین کے بارے میں فرمایا ''مَنْ اَحَبَّھُمَا فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمَا فَقَدْ اَبْغَضَنِیْ'' جس نے ان دونوں سے محبت کی تو اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی۔(مدارج النبوت جلد اول ص/۵۳۰)

سب سے زیادہ محبوب

حضرتِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا ''سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَیُّ اَھْلِ بَیْتِکَ اَحَبُّ اِلَیْکَ قَالَ اَلْحَسَنُ وَ الْحُسَیْنُ وَ کَانَ یَقُوْلُ لِفَاطِمَۃَ اُدْعِیْ لِیَ ابْنَیَّ فَیَشُمُّھُمَا وَ یَضُمُّھُمَا'' رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا آپ کے گھر میں آپ کو سب سے زیادہ کون محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا حسن اور حسین۔آپ حضرتِ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرماتے میرے دونوں بیٹوں کو بلاؤ پھر آپ ان دونوں حضرات کو سونگھا کرتے اور خود سے چمٹا لیا کرتے۔ (ترمذی:۲/۲۱۸، مشکوٰۃ)

آسمان والوں کا محبوب

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کعبہ شریف کے سایہ میں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوتشریف لاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا ”ھٰذَا اَحَبُّ اَھْلِ الْاَرْضِ اِلٰی اَھْلِ السَّمَاءِ الْیَوْمَ“ آج یہ آسمان والوں کے نزدیک تمام زمین والوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ (خطبات محرم، بحوالہ الشرف المؤبد ص ۶۵)

شجاعت و سخاوت

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حسن وحسین کو لیکر حضور پرنور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا حضور! یہ آپ کے دونوں نواسے ہیں انہیں کچھ عطا فرمائیے تو حضور نے فرمایا ”اَمَّا حَسَنٌ فَلَهٗ ھَیْبَتِیْ وَسُوْدَدِیْ وَ اَمَّا حُسَیْنٌ فَلَهٗ جُرْأَتِیْ وَ جُوْدِیْ“ حسن کے لئے میری ہیبت وسیادت ہے اور حسین کے لئے میری جرأت وسخاوت ہے۔

(خطبات محرم بحوالہ الشرف المؤبد ص ۷۲)

جنت کے سردار

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے اپنی والدہ سے کہا میں نبی کریم ﷺ کے پاس جارہا ہوں وہیں پر مغرب کی نماز پڑھوں گا اور آپ سے عرض کروں گا کہ میرے اور میری والدہ کے لئے دعائے مغفرت کریں۔ میں نبیِ کریم ﷺ کے پاس آ کر مغرب کی نماز پڑھا، مغرب کے بعد آپ نوافل میں مشغول رہے یہاں تک کہ عشا کی نماز ادا کر کے لوٹنے لگے، میں بھی آپ کے پیچھے ہولیا، آپ نے میری آواز سنی تو فرمایا کون ہو حذیفہ؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا کس لئے آئے ہو (اللہ تمہاری اور تمہاری والدہ کی مغفرت فرمائے)”اِنَّ ھٰذَا مَلَکٌ لَّمْ یَنْزِلِ الْاَرْضَ قَطُّ قَبْلَ ھٰذِهِ اللَّیْلَةِ اِسْتَاْذَنَ رَبَّهٗ اَنْ یُّسَلِّمَ عَلَیَّ وَ یُبَشِّرَنِیْ بِاَنَّ فَاطِمَةَ سَیِّدَةُ نِسَآءِ اَھْلِ الْجَنَّةِ وَ اَنَّ الْحَسَنَ وَ الْحُسَیْنَ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّةِ“ بے شک یہ ایک فرشتہ ہے جوزمین پر اس رات کے علاوہ کبھی نہیں نازل ہوا تھا، اس نے اللہ عزوجل سے اجازت چاہی کہ میری بارگاہ میں سلام پیش

کرے اور مجھے اس بات کی خوشخبری دے کہ فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہیں اور حسن اور حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف، ترمذی شریف، ص:۲۱۸، ج:۲)

حضرتِ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دوعالم فخر موجودات ﷺ نے ارشاد فرمایا ”اَلْحَسَنُ وَ الْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّةِ“ امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ (ترمذی، ص:۲۱۷، ج:۲)

دو پھول

حضرتِ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسولِ کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا ”اِنَّ الْحَسَنَ وَ الْحُسَیْنَ ھُمَا رَیْحَانَتَایَ مِنَ الدُّنْیَا“ حسن اور حسین دنیا میں میرے لئے ریحان (ایک خوشبودار پودا) ہیں۔ (مشکوٰۃ، ترمذی، ص:۲۱۸، ج:۲)

شہادت کی شہرت

حضرتِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر آپ کے بچپنے ہی میں مشہور ہوگئی تھی اور آپ کے والدین کریمین کے ساتھ ساتھ بہت سارے صحابۂ کرام یہ جانتے تھے کہ ایک دن امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ظلماً قتل کیا جائے گا اور وہ منصبِ شہادت پر فائز ہوں گے۔

زوجۂ حضرت سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرتِ ام الفضل بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک روز حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حضرتِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ کی گود میں دیا پھر میں نے دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ کی آنکھوں سے لگاتار آنسوں بہہ رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان یہ کیا ہے؟ فرمایا ”اَتَانِیْ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَاَخْبَرَنِیْ اِنَّ اُمَّتِیْ سَتَقْتُلُ اِبْنِیْ ھٰذَا فَقُلْتُ ھٰذَا؟ قَالَ نَعَمْ وَاَتَانِیْ بِتُرْبَةٍ مِّنْ تُرْبَتِهٖ حَمْرَآءَ“ یعنی میرے پاس جبرئیل امین آئے اور مجھے خبر دی کہ میری امت میرے اس فرزند کو شہید کرے گی۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا اس فرزند کو شہید کرے گی؟ حضور نے فرمایا ہاں اور جبرئیل میرے پاس اس کی شہادت گاہ کی سرخ مٹی بھی لائے ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۷۲)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بارش کے فرشتے نے حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضری دینے کے لئے خداوند قدوس سے اجازت طلب کی، جب وہ فرشتہ اجازت ملنے پر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا تو اس وقت حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور حضور ﷺ کی گود میں بیٹھ گئے تو آپ ان کو چومنے اور پیار کرنے لگے۔ فرشتہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ حسین سے پیار کرتے ہیں؟ حضور نے فرمایا ہاں! اس نے کہا ''اِنَّ اُمَّتَکَ سَتَقْتُلُهٗ'' آپ کی امت حسین کو قتل کردے گی۔ اگر آپ چاہیں تو میں ان کی قتل گاہ (کی مٹی) آپ کو دکھادوں۔ پھر وہ فرشتہ سرخ مٹی لایا جسے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے کپڑے میں لے لیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اے ام سلمہ! جب یہ مٹی خون بن جائے تو سمجھ لینا کہ میرا بیٹا حسین شہید کردیا گیا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اس مٹی کو شیشی میں بند کرلیا جو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ کی شہادت کے دن خون ہوگئی۔

ابن سعد حضرتِ شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرتِ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگِ صفین کے موقع پر کربلا سے گزر رہے تھے کہ فرات کے کنارے ٹھہر گئے اور اس زمین کا نام دریافت فرمایا۔ لوگوں نے کہا اس زمین کا نام کربلا ہے۔ کربلا کا نام سنتے ہی آپ اس قدر روئے کہ زمین آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ پھر فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک روز حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ رو رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا ابھی میرے پاس جبرئیل آئے تھے، انہوں نے مجھے خبر دی ''اِنَّ وَلَدِی الْحُسَیْنَ یُقْتَلُ بِشَاطِئِ الْفُرَاتِ بِمَوْضَعٍ یُّقَالُ لَهٗ کَرْبَلَا'' کہ میرا بیٹا حسین دریائے فرات کے کنارے اس جگہ شہید کیا جائے گا جس کو کربلا کہتے ہیں اور وہاں کی مٹی بھی مجھے سونگھائی۔ (خطبات محرم بحوالۂ صواعقِ محرقہ، ص/۱۱۸)

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! مذکورہ بالا احادیث کریمہ سے یہ واضح طور پر معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر دے دی تھی، صحابہ کرام اور اہل بیت میں سے کئی حضرات کو یہ معلوم تھا کہ حسین شہید ہوں گے اور ان کی شہادت گاہ کربلا ہے لیکن نبی کریم ﷺ اور نہ ہی حضرت علی و حضرت فاطمہ و دیگر اہل بیت و ازواج

مطہرات نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس حادثے سے محفوظ رکھنے کی دعا کی اور نہ ہی حضور سرورِ کائنات ﷺ سے دعا کی درخواست کی، کیوں کہ سب کو یہ معلوم تھا کہ شہادت حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے آزمائش و امتحان ہے اور امتحان سے کسی کو بچایا نہیں جاتا بلکہ یہ دعا کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے امتحان میں کامیابی عطا فرمائے اور ثابت قدم رکھے۔ اب آیئے تاریخِ اسلام کا وہ عظیم واقعہ ملاحظہ کریں جسے ''مباہلہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت و وقعت کو قرآن سے سمجھیں تاکہ قاریِ قرآن کو یہ معلوم ہو جائے کہ قرآنِ مجید نے بھی آپ کی عظمت کا چرچہ کیا ہے۔

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! قبل اس کے کہ آپ واقعۂ مباہلہ کو ملاحظہ کریں یہ سمجھ لیں کہ مباہلہ کیا ہے؟ کس صورت میں ہوتا ہے؟ اور کن سے کیا جاسکتا ہے؟

مباہلہ کیا ہے؟

مباہلہ ''بَھْلٌ'' سے بنا ہے، جس کے معنی دعا، عاجزی اور لعنت کے ہیں۔ چوں کہ مباہلہ میں ایک دوسرے پر لعنت یعنی بددعا کی جاتی ہی اس لئے اسے مباہلہ کہتے ہیں۔

فریقین کا اظہارِ حق کے لئے ایک دوسرے پر دعائے لعنت کرنا مباہلہ کہلاتا ہے۔

مباہلہ کب ہوتا ہے؟

مقابل اگر منصف (انصاف پسند) ہوتا ہے تو دلائل کے ذریعہ حق کو تسلیم کرلیتا ہے، اسی لئے اس سے صرف مباحثہ پر اکتفا کیا جاتا ہے، جسے مناظرہ کہا جاتا ہے۔ لیکن اگر مقابل ضدی اور ہٹ دھرم ہو کہ دلائل کو قبول نہیں کرتا ہے تو پھر مناظرہ کی انتہائی منزل ''مباہلہ'' کو اختیار کیا جاتا ہے، جس سے ہٹ دھرم مقابل اپنی ہٹ دھرمی سے باز آنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

مباہلہ کن سے جائز؟

کفار سے ضرورت کے وقت مباہلہ کرنا حضور ﷺ کی سنت ہے مگر مباہلہ صرف کفار سے کیا جائے اور یقینی عقائد کے بارے میں ہو، ظنی مسائل پر نہیں ہوسکتا۔ دنیاوی جھگڑوں اور ظنی مسائل پر مباہلہ نہیں کرسکتے۔ (تفسیر نعیمی، ص:۵۶۸)

واقعۂ مباہلہ

اللہ عزوجل نے قرآن مقدس میں ارشاد فرمایا "فَمَنْ حَآجَّکَ فِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَکُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَکُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَةَ اللّٰهِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ" (پھر اے محبوب!) جو تم سے عیسیٰ کے بارے میں حجت کریں بعد اس کے کہ تمہیں علم آچکا تو ان سے فرما دو آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔ (کنزالایمان، سورۂ آل عمران)

یہ آیت کریمہ نجران کے یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی جو پیغمبر اسلام ﷺ سے حضرتِ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق بحث کرنے آئے تھے۔ نجران مکہ معظّمہ سے جانبِ یمن سات منزل کے فاصلے پر ایک بڑا وسیع وعریض شہر ہے جو نجران بن زید بن یشحب بن یعرب کے نام سے موسوم ہے۔ یہ شہر ملک عرب میں عیسائی مذہب کا بہت بڑا مرکز تھا اور ۷۳ رگاؤں اس سے متعلق تھے، یہاں ایک عظیم گرجا تھا جس کو عیسائی کعبہ کہتے تھے، اسی میں ان کے بڑے بڑے پادری رہتے تھے، حضور سرورِ کائنات ﷺ کے وصال سے ایک سال پیشتر یہاں کے عیسائیوں کا ایک وفد جو ساٹھ افراد پر مشتمل تھا، مدینہ منورہ آیا۔ ان میں لارڈ بشپ بھی تھا جس کا نام ابوحارثہ تھا اور ان ساٹھ افراد میں چوبیس افراد عیسائیوں کے اشراف لوگوں میں سے تھے اور پھر ان ۲۴ رمیں سے تین مرجع کل تھے، ان میں ایک کا نام عبدالمسیح اور عاقب لقب تھا، یہ اپنی قوم کا سردار تھا جس کی رائے کے بغیر عیسائی کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ دوسرے کا نام ایہم تھا، یہ اپنی قوم کا افسر مال تھا جس کے ذمہ ساری قوم کے خورد ونوش اور رسد کا انتظام تھا۔ تیسرے کا نام ابو حارثہ بن علقمہ تھا جو نصاریٰ کے تمام علما، پادریوں کا بڑا پیشوا تھا۔ یہ گروہ نماز عصر کے وقت مدینہ منورہ پہونچا، اس وفد کے تمام شرکا نہایت عمدہ اور قیمتی پوشاکیں پہن کر بڑی شان وشوکت کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مناظرہ کرنے آئے تھے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ ہم نے آج تک ایسی شان وشوکت والی جماعت نہ دیکھی تھی۔ یہ لوگ سیدھے مسجدِ نبوی

میں آئے، نماز کا وقت تھا فوراً ان لوگوں نے وہیں جانبِ شرق متوجہ ہوکر نماز شروع کر دی۔ حضور سیدِ عالم ﷺ نے فرمایا انہیں اپنی نماز پڑھنے دو۔ (تفسیر نعیمی)

بغوی نے لکھا ہے کہ جب وفدِ نجران کے سامنے رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی اور ان کو مباہلہ کی دعوت دی تو انہوں نے جواب دیا ہم ذرا لوٹ کر اس معاملہ میں غور کر لیں ہم کل آئیں گے۔ عاقب اس سے زیادہ عقلمند اور سوجھ بوجھ والا تھا، اہلِ وفد نے تخلیہ میں اس سے پوچھا عبدالمسیح آپ کی کیا رائے ہے؟ عاقب نے جواب دیا برادرانِ عیسائیت! تم خوب پہچان چکے ہو کہ محمد نبیِ مرسل ہیں، خدا کی قسم کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی قوم نے کسی نبی سے مباہلہ کیا ہو اور پھر ان میں کا کوئی بڑا زندہ رہا ہو یا چھوٹے کو بڑھنے کا موقع ملا ہو (یعنی چھوٹے، بڑے سب ہی مر جاتے ہیں) اب اگر تم نے ایسا کیا تو سب تباہ ہو جاؤ گے لہٰذا اگر تم اپنے انکار پر ہی قائم رہنا چاہتے ہو تو اس شخص سے صلح کر لو اور اپنے ملک کو لوٹ جاؤ۔ اس مشورہ کے موافق سب لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، رسول اللہ ﷺ صبح کو ہی گھر سے اس حالت میں برآمد ہو چکے تھے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی گود میں تھے، حضرتِ حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، حضرتِ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے پیچھے تھیں اور حضرتِ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پیچھے حضرتِ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم تھے اور آپ فرما رہے تھے جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔

یہ دیکھ کر نجران کا پادری کہنے لگا اے گروہِ نصاریٰ! مجھے ایسے چہرے نظر آرہے ہیں کہ اگر یہ اللہ سے دعا کریں تو اللہ پہاڑ کو بھی اس کی جگہ سے ہٹا دے گا لہٰذا تم ان سے مباہلہ نہ کرو، ورنہ سب مر جاؤ گے اور روزِ قیامت تک روئے زمین پر کوئی عیسائی باقی نہیں رہے گا۔ (تفسیرِ مظہری)

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! غور کرنے کا مقام ہے کہ مباہلہ کے لئے تو یہ بات طے پائی تھی کہ فریقین اپنے اپنے بیٹوں اور عورتوں کو لے کر آئیں، حضور رحمتِ عالم ﷺ نے اس موقع پر سارے صحابہ وصحابیات اور ازواجِ مطہرات میں سے حضرت علی و فاطمہ اور حضرات حسنین کریمین (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کا انتخاب فرمایا، اسی لئے رہتی دنیا تک حضرات

حسنین کریمین کو ''اِبْنَارَسُوْلِ اللّٰہِ'' کہا جائے گا کیوں کہ خود حضور ﷺ نے انہیں اپنا بیٹا فرمایا ہے۔

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! سابقہ احادیث اور واقعات سے یہ معلوم ہوگیا کہ امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہیں یزید پلید نے بھوکا، پیاسا رکھ کر شہید کروایا ان کا اللہ عزوجل اور اس کے محبوب ﷺ کے نزدیک بڑا ہی اونچا مرتبہ ہے۔ آپ کا کردار بہت ہی عظیم اور قیامت تک آنے والی ساری انسانیت کے لئے نمونۂ عمل ہے۔ آپ نے پیچھے پڑھا ہوگا کہ امام عالی مقام سے حضور ﷺ کی محبت کا عالم یہ تھا کہ بچپنے میں ایک لمحہ بھی آپ کو روتا ہوا دیکھتے تو بے چین ہو جاتے، لیکن حضور نبی کریم ﷺ ہی کا کلمہ پڑھنے والے وہ کیسے انسان تھے جنہوں نے نہ صرف آپ کو بلکہ آپ کے خاندان کے کئی افراد کو بھوکا، پیاسا شہید کردیا اور وہ کس قدر بے حیا اور بے وفا ظالم تھا جس نے حضور رحمتِ عالم ﷺ کے اس مقدس نواسے کو شہید کرنے کا حکم دیا۔ اسی لئے قبل اس کے کہ ہم واقعاتِ شہادت اور اسبابِ شہادت و مقصدِ شہادت کا مطالعہ کریں یہ جان لیں کہ ''یزید'' کون تھا اور کیسا تھا؟

یزید کون تھا؟

یزید بن معاویہ وہ بدترین شخص ہے جس کی پیشانی پر اہل بیت نبی ﷺ کے ناحق خون کا سیاہ داغ ہے، یہ بدشکل، موٹا، بدخلق، بدمزاج، فاسق وفاجر، شرابی و بدکردار اور انتہائی گستاخ تھا، کئی حرام چیزیں مثلاً محرم عورتوں کے ساتھ نکاح اور سود وغیرہا اس نے رائج کردیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ''وَاللّٰہِ مَا خَرَجْنَا عَلٰی یَزِیْدَ حَتّٰی خِفْنَا اَنْ نُّرْمٰی بِالْحِجَارَۃِ مِنَ السَّمَآءِ'' یزید پر ہم نے اس وقت حملہ کی تیاری کی جب ہمیں اندیشہ ہوگیا کہ اس کی بدعملی کے سبب ہم پر آسمان سے پتھر برسائے جائیں گے۔ اس لئے کہ فسق وفجور کا یہ عالم تھا کہ لوگ اپنی ماں بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح کررہے تھے، شرابیں پی جارہی تھیں اور دیگر منہیاتِ شرعیہ کا علانیہ رواج ہوگیا تھا اور لوگوں نے نماز ترک کردی تھی۔ (تاریخ الخلفاء، ص ۳۰۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور رحمت عالم ﷺ کے راز دار صحابہ میں سے

ہیں۔ ۵۹ھ میں یہ دعا فرمائی تھی ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ رَّأْسِ السِّتِّیْنَ وَاِمَارَۃِ الصِّبْیَانِ'' اے اللہ! میں ۶۰ھ کی شروعات اور لڑکوں کی حکومت سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ (تاریخ الخلفاء)

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! حضور تاجدار مدینہ ﷺ کے یہ راز دار صحابی جانتے تھے کہ ۶۰ھ میں یزید تخت نشیں ہوگا اور بڑے بڑے فتنے ابھریں گے اور فساد پھیلے گا اس لئے اس سے پناہ مانگی اور بارگاہ خداوندی میں ان کی دعا مقبول بھی ہوئی اور ۵۹ھ میں وہ وفات بھی کر گئے۔

تاریخ الخلفاء میں ہے کہ ۶۳ھ میں یزید کو خبر ملی کہ اہل مدینہ اس پر خروج کی تیاری کررہے ہیں اور انہوں نے اس کی بیعت توڑ دی ہے یہ سن کر اس نے ایک بڑا بھاری لشکر اہل مدینہ کی طرف روانہ کیا اور مدینہ والوں سے اعلان جنگ کردیا۔ یہاں لوٹ مار کرنے کے بعد یہی لشکر مکہ معظّمہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لشکر کشی کے لئے بھیجا گیا اور واقعہ حرّہ باب طیبہ پر واقع ہوا۔ واقعہ حرہ جانتے ہو کیا ہے؟ اس کی کیفیت حسن مرہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب مدینہ پر لشکر کشی ہوئی تو مدینہ کا کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو اس لشکر سے پناہ میں رہا ہو۔ ہزار ہا صحابہ ان لشکریوں کے ہاتھوں شہید ہوئے، مدینہ شریف کو خوب خوب لوٹا گیا۔ ہزاروں باکرہ لڑکیوں کی بُکارت زائل کی گئی۔ (ان کے ساتھ مدینۃ النبی میں زنا بالجبر کیا گیا) نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ (تاریخ الخلفا)

انکار بیعت اور اس کی وجہ

رجب ۶۰ھ میں جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات پائی اور ان کے بعد ان کا ناخلف اور بدبخت بیٹا یزید تخت سلطنت پر بیٹھا اور اپنی بیعت کے لئے ہر طرف فرمان اور قاصد روانہ کردیئے۔

مدینہ منورہ کے حاکم ولید بن عقبہ کو بھی یزید نے یہ فرمان بھیجا کہ تم میرا یہ فرمان دیکھتے ہی سب خاص و عام عمائد مدینہ سے میری بیعت لو اور خاص کر حضرت امام حسین اور عبدالرحمن بن ابو بکر اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تو ایک لمحہ کی بھی مہلت نہ دینا

اور سب سے پہلے ان لوگوں سے بیعت لینا۔ چنانچہ یزید کا فرمان ملتے ہی ولید بن عقبہ نے حضرت امام حسین کو اپنے دارالامارۃ (گورنمنٹ ہاؤس) میں بلایا اور یزید کا فرمان سنا کر آپ سے بیعت کا طالب ہوا۔ امام عالی مقام نے صاف صاف فرمادیا کہ یزید اپنے فسق وفجور اور ظلم وعُدوان کی وجہ سے ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ میں اس کے ہاتھ پر بیعت کروں اس لئے میں ہرگز ہرگز کبھی اس کی بیعت نہیں کرسکتا۔

جس وقت امام عالی مقام نے یزید کی بیعت سے انکار فرمادیا تو ولید بن عقبہ نے آپ کو بہت نرمی کے ساتھ سمجھایا اور اس کے خطرناک انجام کی طرف توجہ دلائی۔ مگر جب آپ نے پورے عزم کے ساتھ بیعت سے انکار فرمادیا تو ولید بن عقبہ نے آپ کو رخصت کردیا اور عرض کیا کہ اے ابن رسول اللہ! آپ اس معاملہ میں جلد بازی کے ساتھ کوئی فیصلہ نہ فرمائیں بلکہ اس وقت آپ اپنے دولت خانہ پر تشریف لے جائیں اور اطمینان سے سوچ کر کوئی فیصلہ فرمائیں اور کل اسی طرح پھر یہاں تشریف لائیں تو بہت بہتر ہوگا۔

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! امام عالی مقام کو خوب اچھی طرح معلوم تھا کہ بیعت کا انکار کرنے سے یزید پلید انتہائی مشتعل ہوگا اور میری جان کا دشمن اور خون کا پیاسا ہوجائے گا۔ لیکن فرزند رسول سے بھلا کب ممکن تھا کہ تقویٰ اور دیانت کو ٹھکرا کر محض اپنی جان بچانے کے لئے ایک فاسق وفاجر بدکار کو خلافت کا حق دار تسلیم کرلیں اور مسلمانوں کی تباہی اور دین وملت کی بربادی کا کچھ خیال نہ کریں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر امام عالی مقام یزید کی بیعت فرمالیتے تو یقیناً یزید اس کو آپ کا ایک احسان عظیم سمجھ کر آپ کی انتہائی قدر ومنزلت کرتا اور آپ کو بے شمار مال ودولت بھی دیتا بلکہ کسی صوبہ کی گورنری اور حکومت بھی پیش کردیتا۔ مگر امام برحق کی حق پرست نگاہوں کے سامنے یہ حقیقت آفتاب بن کر چمک رہی تھی کہ اگر میں یزید کی بیعت کرلیتا ہوں تو نظام اسلام درہم برہم ہوکر ملت اسلامیہ میں ایسا عظیم فساد برپا ہوجائے گا جس کا دور کرنا ناممکن اور محال ہوجائے گا، دین مٹ جائے گا اور پرچم اسلام کی دھجیاں پارہ پارہ ہوکر فضائے آسمان میں بکھر

جائیں گی کیوں کہ ظاہر ہے کہ جب آپ یزید کی بیعت فرمالیتے تو آپ کی بیعت یزید کی ہر بدکاری کے لئے سند بن جاتی اور تمام مسلمان یہ سمجھ لیتے کہ یزید کا ہر عمل اسلام کے مطابق ہے، کیوں کہ ہر شخص یہی کہتا کہ اگر یزید اسلام کے خلاف عمل کرتا تو بانیِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نورِ نظر اور ملت اسلامیہ کے عظیم رہبر امام عالی مقام حضرتِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہرگز کبھی اس کی بیعت نہ فرماتے۔

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! یہی وہ واحد سبب تھا کہ جگر گوشۂ رسول ﷺ وفرزند بتول نے بڑے بڑے آلام ومصائب کو برداشت فرمایا، اپنے پھولے پھلے گلشن کو اپنی نظروں کے سامنے ظلم وستم کا نشانہ بنتے ہوئے دیکھا، بلکہ اپنے خون کا آخری قطرہ اور اپنی زندگی کی آخری سانس خدا کی راہ میں قربان کرکے ملت اسلامیہ کی ڈوبتی اور ڈگمگاتی کشتی کو گمراہیوں کے طوفان سے نکال کر ساحل نجات پر پہنچادیا اور قیامت تک کے لئے اسلام کا پرچم بلند ہوگیا۔

مدینہ منورہ سے رحلت

یزید کا منصوبہ یہ تھا کہ کسی بھی طرح امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کروالی جائے اور جب وہ بیعت کرلیں گے تو پھر کسی کو اس کی بیعت سے انکار کی مجال نہ ہوگی لیکن حضرت امام عالی مقام کے انکارِ بیعت سے یزید کا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا اور وہ غصہ سے بھڑک اٹھا، اس نے حاکمِ مدینہ ولید کو یہ فرمان بھیجا کہ اگر امام حسین بیعت پر راضی نہیں ہوتے ہیں تو ان کا سر کاٹ کر میرے یہاں روانہ کردو، ولید کے پاس جب اس طرح کے کئی اور پیغام یزید کی طرف سے آئے تو اس نے مجبور ہوکر امام عالی مقام کو اس ناپاک منصوبہ سے باخبر کردیا۔ آپ نے مخلص صحابۂ کرام سے مشورہ لے کر مدینہ منورہ کو خیر باد کہنے کا ارادہ فرمالیا۔

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! مدینہ منورہ سے رخصت ہوتے وقت یقیناً امام عالی مقام علیٰ جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام روضۂ رسول ﷺ پر حاضر ہوکر روانگی کی اجازت چاہی ہوگی، اس وقت آپ کی کیا کیفیت رہی ہوگی؟ اسے ایک عاشق رسول ہی سمجھ سکتا ہے، اشکبار آنکھیں، دل رنجیدہ لئے ہوئے امام عالی مقام نے اپنے پیارے نانا جان کی بارگاہ میں عرض کیا

ہوگا: ماتھے اور لبوں کو چومنے والے نانا جان! کندھوں پر بٹھا کر محبت فرمانے والے نانا جان!
اپنے سینے سے لگائے رکھنے والے نانا جان! ہماری خاطر سجدوں کو لمبا کردینے والے نانا جان!
آج ہماری حالت تو دیکھئے، ہمیں حالات نے آپ کے اس سب سے زیادہ پیارے شہر مدینہ کو
چھوڑنے پر مجبور کردیا، آپ کے کچھ نافرمان امتیوں نے ہمارے لئے یہاں پر رہنا دشوار کردیا۔
اے پیارے نانا جان! ہمیں جانے کی اجازت مرحمت فرمائیے، اب ہم دل افسردہ لئے مدینہ
سے جارہے ہیں ہمیں اجازت عطا فرمائیں۔

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! وہ کس قدر رنج والم کا دن رہا ہوگا جس
دن نواسۂ رسول، جگر گوشۂ بتول اپنے نانا جان سے جدا ہورہے تھے اور ادھر روضۂ انور میں آرام
فرمانے والے آقائے کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی کیا کیفیت رہی ہوگی؟ جب ان کا نازونعم سے
پالا ہوا پیارا نواسہ ان سے رخصت ہورہا ہوگا، وہ نواسہ جس کی زندگی کے لئے آقائے کریم نے
اپنے لخت جگر حضرت ابراہیم کو قربان کردیا تھا، وہ نواسہ جس کی ادنیٰ سی تکلیف سے آقائے
دوجہاں بے چین ہوجاتے تھے۔ یہ تصورات اور یہ خیالات عاشقانِ مصطفٰے و مُحبّانِ اہل بیت
کے دلوں کو پاش پاش کردینے کے لئے کافی ہیں۔

روضۃ الشہداء کے مصنف لکھتے ہیں کہ حضرت امام عالی مقام اپنی والدہ ماجدہ حضرت
خاتون جنت سیدتنا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اپنے برادر معظم سیدنا امام حسن رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کی زیارت کے لئے جنت البقیع میں حاضری دی اور پھر اپنے نانا جان کو آخری سلام
پیش کرنے روضۂ مقدسہ پر حاضری دی اور صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کے بعد آپ پر نیند کا غلبہ
طاری ہوا تو کیا دیکھتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ حاضر ہیں اور میرے سر کو اپنی آغوش رحمت میں
لے لیا، حضرت امام عالی مقام نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں امت کی جفاؤں سے تنگ
آکر اور یزید پلید کی بیعت نہ کرنے کی وجہ سے آپ کا مقدس شہر مدینہ چھوڑ رہا ہوں اور میں یہ
دیکھ رہا ہوں کہ دوبارہ آپ کی زیارت نہیں کرسکوں گا۔ حضور رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: اے
حسین! عنقریب تم میرے پاس آجاؤ گے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بھوکے پیاسے کربلا کی

زمین پر شہید ہورہے ہو، اے میرے حسین! صبر کرنا اور اپنا کام پورا کرنا، زیادہ دیر نہیں گزرے
گی کہ تم بھی اپنے باپ، اپنی ماں اور میرے پاس پہنچ کر ہمارے ساتھ خوان بہشت پر بیٹھ کر
خالق العباد کی رحمتوں سے مالا مال ہوگے۔ اس کے ساتھ ہی امام حسین بیدار ہوگئے اور آپ کو
اپنی شہادت کا یقین ہوگیا۔

چنانچہ اسی شوق شہادت میں ۴ رشعبان ۶۰ھ کو جمعہ کی رات میں آپ نے سارے اہل
مدینہ کو روتا ہوا چھوڑ کر اپنے اہل وعیال اور خدام کے ہمراہ مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوگئے۔ پھر
آپ مکہ مکرمہ پہنچ کر شعبان کے بقیہ ایام، رمضان، شوال، ذیقعدہ اطمینان وسکون کے ساتھ
گزارے، اہل مکہ آپ کی مکہ آمد پر بڑے خوش تھے اور آپ کے فیوض وبرکات سے مالا مال
ہوتے ہوئے فخر محسوس کرتے تھے، سعید بن عاص یزید کی جانب سے مکہ کا گورنر بنایا گیا تھا اس
نے مکہ مکرمہ میں آپ کی آمد اور اہل مکہ کی آپ سے والہانہ عقیدت ومحبت کی اطلاع یزید کو کردی
جس سے یزید اور برہم ہوگیا۔

کوفیوں کی درخواستیں اور امام مسلم کی روانگی

اس عرصہ میں اہل کوفہ حضرت امام عالی مقام کے پاس مسلسل خطوط بھیجتے رہے، تقریباً
ڈیڑھ سو درخواستیں آپ کے پاس کوفہ سے پہنچیں جن میں آپ سے کوفہ میں تشریف لانے کی
گزارشات کی گئی تھیں اور یہ لکھا گیا تھا کہ ہم پر کوئی امام نہیں ہے، ہم آپ کی آمد کے منتظر ہیں،
آپ کے ہوتے ہوئے ہم کسی فاسق وفاجر کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرسکتے، آپ تشریف لاکر
ہمیں یزید کی ظالمانہ حکومت کے جبر واستبداد سے نجات دلائیں۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی دعوت پر لبیک فرماتے ہوئے کوفہ پہنچنے
کا ارادہ کرلیا، اکثر صحابۂ کرام نے روکا اور انجام وعواقب پر نظر دوڑاتے ہوئے بعض صحابۂ کرام
رونے لگے اور رو رو کر عرض کرتے کہ آپ وہاں تشریف نہ لے جائیں مگر آپ پختہ ارادہ کرچکے
تھے، چنانچہ آپ نے پہلے اپنے چچازاد بھائی حضرت مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوفہ بھیجا تاکہ وہ اہل
کوفہ کی وفاداری ملاحظہ فرمائیں اور وہاں کے لوگوں کی مکمل کیفیت لکھ بھیجیں، حضرت امام مسلم

کوفہ کو روانہ ہوتے ہوئے اپنے دو چھوٹے بچوں کو بھی ساتھ لے گئے، جب کوفہ پہنچے تو بارہ ہزار سے زیادہ آدمیوں نے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کی حضرت مسلم کے نام کی بیعت کر لی اور بظاہر سب نے آپ سے محبت کا اظہار کیا۔ حضرت امام مسلم نے یہ ساری روئیداد حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھ بھیجی۔

اہل کوفہ کی غداری اور شہادت امام مسلم

مگر جب یہ خبر یزید کو پہونچی تو اس نے حاکم بصرہ عبید اللہ ابن زیاد کو حاکم کوفہ مقرر کر کے وہاں بھیج دیا۔ یہ سنگ دل حاکم بڑا ظالم تھا، اس نے آتے ہی اہل کوفہ کو دھمکی دی کہ اگر تم لوگوں نے مسلم بن عقیل کا ساتھ نہ چھوڑا تو میں تم لوگ کو اسی قلعہ کے اندر انتہائی بے دردی کے ساتھ ذبح کر ڈالوں گا اور پھر یزید شامیوں کا لشکر بھیج کر تمہارے بچوں کو قتل کرا دے گا اور تمہاری بستیوں کو تباہ کر ڈالے گا۔

ابن زیاد کی ان دھمکیوں کو سن کر اہل کوفہ حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے، ابھی تک حال یہ تھا کہ اہل کوفہ کا ایک جم غفیر حضرت مسلم بن عقیل کا حامی وناصر تھا اور اب جب امام مسلم نے مغرب کی نماز شروع کی تو صرف پانچ سو آدمی آپ کے ساتھ رہ گئے تھے اور نماز سے فارغ ہوئے تو سب کے سب فرار ہو گئے۔

آخر کار اس ظالم نے ایک لشکر بھیج دیا، جس کے ذمہ یہ کام تھا کہ حضرتِ مسلم بن عقیل کو گرفتار کر لیا جائے یا شہید کر دیا جائے۔ حضرت امام مسلم کو جب اس صورت حال کا پتہ چلا تو مسلح ہو کر اس گروہ ابن زیاد بدنہاد سے مقابلہ فرمانے لگے۔ آپ نے پہلے ہی حملہ میں بہت سے یزیدیوں کو فی النار کر دیا، ظالموں نے دور سے تیر برسانے شروع کئے اور دَر و دِیوار پر چڑھ کر آپ پر حملے شروع کر دیئے اچانک ایک پتھر آپ کی پیشانیِ نورانی پر لگا، تمام کپڑے خون میں تر ہو گئے۔ اس وقت آپ مکہ معظّمہ کی طرف منہ کر کے کہنے لگے: اے بھائی حسین ابن علی! کچھ آپ کو مسلم خستہ جگر کی بھی خبر ہے کہ اس پر کیا گزری؟ افسوس میرا تو کوفیوں نے یہ حال کیا مگر مجھے آپ کا خیال ہے، اب کس قاصد سے کہوں جو آپ کو یہاں آنے سے روکے۔ الغرض ظالموں نے

آپ کو پکڑ لیا اور ابن زیاد بدنہاد کے پاس لا کر آپ کو شہید کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ

فرزندان مسلم کی شہادت

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! ان ظالموں نے آپ کو شہید کرنے کے بعد آپ کے دو ننھے بچوں کی تلاش شروع کر دی۔ ابن زیاد بدنہاد نے اعلان کر دیا کہ میں نے سنا ہے کہ مسلم کے دو چھوٹے بچے بھی ساتھ تھے اور وہ یہیں کوفہ میں موجود ہیں، لہٰذا جو شخص ان دونوں کو پکڑ کر لائے گا، وہ بہت انعام پائے گا اور جس شخص کے گھر میں وہ دونوں روپوش ہوں گے، ان کو قتل کر دیا جائے گا۔ یہ دونوں صاحبزادے جن کا نام محمد اور ابراہیم تھا، قاضی شُریح کے یہاں مقیم تھے، قاضی شُریح نے یہ اعلان سن کر ان دونوں یتیموں کو بلایا اور ان کو دیکھ کر قاضی شریح رونے لگے۔ بچوں نے جو یہ صورت دیکھی، تو پوچھنے لگے قاضی صاحب! آپ سچ بتائیے کیا ہم یتیم تو نہیں ہو گئے؟ قاضی شریح نے بتادیا کہ ہاں بچو! واقعی تم یتیم ہو گئے ہو۔ اب تو دونوں صاحبزادے آپس میں بغلگیر ہو کر رونے لگے۔ قاضی شریح نے رات ہوئی تو اپنے لڑکے سے کہا کہ دروازۂ عراقین سے ایک قافلہ مدینہ منورہ جا رہا ہے، جاؤ ان دونوں بچوں کو اس قافلے کے ساتھ کر دو۔ پسر قاضی ان کو لے کر وہاں پہنچا تو وہ قافلہ کچھ دور جا چکا تھا پسر قاضی نے قافلہ کے گرد وغبار دیکھ کر اب بچوں کو پیچھے دوڑا دیا مگر رات کا وقت تھا دونوں بچے راستہ بھول گئے اور رات بھر ادھر ادھر بھٹکتے رہے، صبح ہوئی تو ایک چشمہ دیکھا اور اس کے کنارے بیٹھ گئے۔ اتفاقاً ایک لونڈی وہاں پانی بھرنے کے لئے آئی اور ان بچوں کو دیکھ کر حیران رہ گئی اور خود ہی بولی کہ کیا تم حضرت امام مسلم کے یتیم تو نہیں ہو؟ دونوں یتیموں نے رونا شروع کر دیا، وہ لونڈی بھی رونے لگی اور انہیں ساتھ لے کر اپنی مالکہ کے پاس آئی، یہ مالکہ بڑی نیک اور دوست دار اہل بیت تھی، ان یتیموں کو پا کر بہت خوش ہوئی، لونڈی کو آزاد کر دیا اور خود دونوں شہزادوں کی خدمت میں مصروف ہو گئی، اپنے ہاتھ سے کھانا پکا کر انہیں کھلایا اور ایک مکان میں علیٰحدہ ان دونوں مظلوموں کو سلا دیا۔ رات کو اس عورت کا شوہر حارث جو بڑا بے دین تھا اور جو ابن زیاد کے اعلان پر انہیں بچوں کی تلاش میں تھا، گھر آیا اور کھانا کھا کر سو گیا۔ آدھی رات کے وقت اچانک بڑے بھائی نے چیخ مار کر

چھوٹے بھائی کو جگایا اور کہا بھائی! اب یہ سونے کا وقت نہیں ابھی میں نے خواب میں نانا جان حضرت محمد ﷺ کو بہشت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ پھرتے دیکھا ہے اور ہمارے بابا جان بھی وہاں موجود ہیں اور ہم دونوں بھائی بھی حاضر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی نظر ہم دونوں پر پڑی تو آپ نے ہمارے بابا جان سے فرمایا کہ اے مسلم! تم خود چلے آئے اور ان دونوں کو ظالموں میں کیوں چھوڑ آئے؟

بابا جان نے عرض کیا: یا رسول اللہ وہ دونوں بھی میرے پیچھے آتے ہیں اور کل تک حاضر ہو جائیں گے۔

پس اے بھائی یقین کامل ہے کہ ہم دونوں بھی جامِ شہادت نوش کرنے ہی والے ہیں اور ظالم ہمیں بھی مار ڈالیں گے۔ یہ کہہ کر دونوں بھائی رونے لگے، اسی آواز سے حارث کی آنکھ کھل گئی۔ عورت سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ عورت ڈر گئی اور کچھ جواب نہ دیا۔ آخر اس بے دین نے خود ہی چراغ جلایا اور جہاں وہ یتیم رو رہے تھے وہاں آیا اور پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے سچ سچ بتا دیا کہ ہم فرزندانِ مسلم ہیں تو اس ظالم نے دونوں کے گیسوئے مبارک پکڑے اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتا ہوا گھسیٹ کر گھر سے باہر لایا۔ تکلیف سے دونوں بھائی تلملا اُٹھے رُو رُو کر فریاد کرنے لگے لیکن ظالم کو ترس نہ آیا۔ سامان کی طرح ایک خچر پر لاد کر دریائے فرات کی طرف چل پڑا اور جب اس کے کنارے پہنچا تو انہیں خچر سے اُتارا مشکیں کھولیں اور سامنے کھڑا کیا۔ پھر میان سے تلوار نکالا ہی تھا کہ اس کی بیوی ہانپتی کانپتی اور گرتی پڑتی آ پہنچی آتے ہی اس نے پیچھے سے اپنے شوہر کا ہاتھ پکڑ لیا اور خوشامد کرتے ہوئے کہا: خدا کے لئے اب بھی مان جاؤ اہل بیت رسول کے خون سے اپنا ہاتھ رنگین مت کرو، دیکھو بچوں کی ننھی جان سکھی جا رہی ہے تلوار سامنے سے ہٹا لو۔

حارث پر شیطان پوری طرح سے سوار تھا ظالم نے بیوی پر وار کر دیا وہ زخمی ہو کر گری اور تڑپنے لگی۔ بچے یہ منظر دیکھ کر سہم گئے۔ اب بد بخت اپنی خون آلود تلوار لے کر بچوں کی طرف بڑھا چھوٹے بھائی پر وار کرنا ہی چاہتا تھا کہ بڑا بھائی چیخ اٹھا۔ خدا کے لئے پہلے مجھے ذبح کرو میں اپنے

بھائی کی تڑپتی ہوئی لاش نہیں دیکھ سکوں گا اور چھوٹے بھائی نے سر جھکاتے ہوئے کہا کہ بڑے بھائی کے قتل کا منظر مجھ سے نہیں دیکھا جا سکے گا۔ خدا کے واسطے پہلے میرا ہی سر قلم کرو۔ ظالم کی تلوار چمکی دو ننھی چیخیں بلند ہوئیں اور یتیم بچوں کے کٹے ہوئے سر خون میں تڑپنے لگے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

روانگیِ امام حسین رضی اللہ عنہ

اہل کوفہ کی بیعت اور ان کے جذبۂ عقیدت و محبت کو دیکھ کر حضرت امام مسلم نے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا اور اس میں کوفہ تشریف لانے کی درخواست کی، اس خط کے پہنچنے کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ معظّمہ سے کوفہ پہنچنے کے ارادہ سے چل پڑے، آپ کے ہمراہ کل ۸۲/افراد تھے، جو آپ کے عزیز و اقارب تھے۔

راستے میں آپ نے حضرتِ امامِ مسلم کی شہادت کی خبر سن لی، آپ کو بڑا رنج ہوا اور کوفیوں کی بے وفائی پر افسوس فرمایا۔

جب کوفہ دو منزل باقی رہ گیا تو حر بن ریاحی ایک ہزار سواروں کے ساتھ آپ کے سامنے آیا اور ابن زیاد کے حکم سے آگاہ کیا اور کہا کہ مجھے اس کا حکم ہے کہ جہاں امام حسین ملیں انہیں گرفتار کر لوں، لیکن میرے دل میں چونکہ آپ کی عزت ہے، اس لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ واپس چلیں جائیں۔ حضرت امام حسین رات کو وہاں سے چل دیئے مگر جب صبح ہوئی تو ایک ہولناک میدان میں پہنچ گئے، پتہ کیا تو اس جگہ کا نام کربلا تھا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہیں اتر پڑے اور فرمایا ''هٰذِهٖ كَرْبَلَاءُ مَوْضَعُ كَرْبٍ وَّبَلَاءٍ هٰذَا مَنَاخُ رِكَابِنَا وَ مَحَطُّ رِحَالِنَا وَ مَقْتَلُ رِجَالِنَا'' یہ کربلا ہے جو مقام کرب و بلا ہے، یہی ہمارے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے، یہیں ہمارے مال و اسباب اتریں گے اور اسی مقام پر ہمارے ساتھی قتل کئے جائیں گے۔ یہ محرم ۶۱ھ کی دوسری تاریخ پنجشنبہ (جمعرات) کا دن تھا۔

ابن زیاد نے اپنا عظیم لشکر بھیج دیا، جس نے آکر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے قافلے کو گھیر لیا اور آپ پر نہر فرات کا پانی بند کر دیا۔ اللہ اکبر! ساقیِ کوثر ﷺ کے

نواسے اور ان کے بچوں پر ظالموں نے پانی بند کر کے انہیں بے حد ستایا اور اس مسافر و قلیل الجماعت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور مجبور کیا کہ حضرت امام حسین یزید کی بیعت کر لیں یا شہید ہونے کے لئے تیار ہو جائیں۔ مگر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو عزم و استقلال کے پیکر تھے اس ظالم کی بیعت کیسے کر لیتے ؟ آپ نے اللہ کی راہ میں قربان ہو جانا منظور فرمایا، لیکن ظالم کی بیعت کو ہرگز منظور نہ فرمایا اور باطل کے آگے سر جھکانا گوارا نہ کیا۔ سچ ہے ؎

آئینِ جواں مردی، حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضرت امام حسین کا خطاب

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! امام مظلوم نے جب دیکھا کہ یہ ظالم میرے قتل کے درپے ہیں، تو اپنے تمام ساتھیوں کو بلا کر فرمایا کہ اے لوگو! میں آج تم کو بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ تم میں سے جو چاہے، جہاں چاہے بلا تکلف چلا جائے، میرے لئے اپنی جان نہ گنوائے، میں تم سب سے راضی ہوں اور خوشی سے اجازت دیتا ہوں۔ یہ سن کر تمام رفقا واعزہ رونے لگے اور عرض کرنے لگے کہ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ہم آپ سے جدا ہو جائیں بلکہ ہم اپنے ہاتھوں، اپنی گردنوں اور اپنی پیشانیوں سے آپ کو بچائیں گے، یہاں تک کہ اپنی جانیں آپ پر قربان کر دیں گے۔

اس کے بعد آپ نے اور آپ کے تمام ساتھیوں نے نماز و دعا اور توبہ و استغفار میں ساری رات گزار دی اور اس کے ساتھ ہی خیموں کی پشت پر خندق کھود کر لکڑیاں بھر دیں تا کہ جنگ کے وقت ان میں آگ لگا دی جائے تو دشمن پیچھے سے حملہ نہ کر سکے۔

شب شہادت

اس رات جس کی صبح شہادت کو اپنا رنگ دکھانا تھا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ساری رات اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کا ذکر کرتے رہے، شوق شہادت میں مسرور، نہ

اپنے سر کی خبر، نہ خنجر قاتل کا خیال، تجلیات حق میں محو تھے کہ آپ نے اپنے نانا جان کو دیکھا جو فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ میدان کربلا میں تشریف لائے اور نواسے کو سینہ سے لگا کر چوما اور فرمایا:

اے فرزند! اعدا تیرے قتل پر آمادہ ہیں، یہ لوگ قیامت کے روز میری شفاعت سے محروم رہیں گے۔ بیٹا! دامن صبر ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے، عنقریب تم درجۂ شہادت پا کر اور میرے پاس آ کر جام کوثر سے اپنی پیاس بجھاؤ گے اور پھر دعا فرمائی ''اَللّٰھُمَّ اَعْطِ الْحُسَیْنَ صَبْرًا وَّاَجْرًا'' اے خدا! حسین کو صبر و اجر عطا فرما۔

صبح شہادت

عاشورہ کی رات ختم ہوئی اور دسویں محرم کی قیامت نما صبح نمودار ہوئی، امام عالی مقام نے اپنے عزیزوں اور ساتھیوں کے ساتھ نماز فجر ادا فرمائی۔ حضرت امام حسین، ان کے اہل بیت اور سارے ساتھی تین دنوں سے بھوکے، پیاسے ہیں، نہ کھانے کا ایک لقمہ میسر، نہ پینے کو ایک قطرہ پانی، ایسے مظلوم لوگوں پر ظلم و ستم ڈھانے کے لئے ایک دو نہیں بلکہ بائیس ہزار کا لشکر جرّار موجود ہے، سورج ابھی نکلنے ہی والا ہے، یہ جگر گوشۂ بتول، محبوب رسول میدان کارزار میں تشریف لے جاتا ہے اور اس کے بعد ظالم یزیدیوں کے سامنے جو ناصحانہ خطاب فرماتا ہے آج بھی وہ تاریخ کے صفحات پر موجود ہے ''اے لوگو! تم میری بات سنو، عجلت نہ کرو تا کہ جہاں تک مجھ پر واجب ہے تم کو سمجھا نہ لوں اور میں اپنے آنے کا سبب تم سے بیان نہ کر دوں، پس اگر تم میرے عذر کو قبول کر لو گے اور میری بات کی تصدیق کرو گے اور حق پسندی سے کام لو گے تو یہ تمہاری سعادت مندی ہے اور اس میں تمہارا کوئی نقصان نہ ہوگا اور اگر تم میرا عذر قبول کرنا نہ چاہتے ہو تو تم لوگ مجتمع ہو اور اپنے شرکا کو یک جا کرو تا کہ تم پر کوئی امر مشتبہ نہ رہے، اس کے بعد میرے سامنے آؤ اور مجھ پر ٹوٹ پڑو، بلا شبہ اللہ میرا مددگار ہے جس نے کتاب اتاری اور صالحین کا ولی و مددگار ہے۔

اما بعد! تم لوگ میرے نسب پر نظر کرو اور دیکھو کہ میں کون ہوں؟ پھر اپنی حالت کی

طرف رجوع کرو کیا میرا قتل کرنا تمہیں روا اور جائز ہے؟

کیا میں تمہارے نبی کا نواسہ نہیں ہوں؟ اور اس کے ولی کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا سید الشہد احمزہ اور جعفر طیار میرے باپ کے چچا نہ تھے؟ کیا تم کو یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے اور میرے بھائی کے حق میں فرمایا ہے کہ یہ دونوں نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں۔

پس جو کچھ میں نے کہا تم اس کی تصدیق کرو۔ خدا کی قسم جب سے مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ جھوٹ بولنے سے خدا ناراض ہوتا ہے اس وقت سے کبھی میں نے جھوٹ نہیں بولا اور اگر تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو تو تم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ اگر ان سے دریافت کرو تو وہ ضرور تمہیں اس سے آگاہ کریں گے۔ جابر بن عبداللہ، ابوسعید خدری، سہیل بن سعد، زید بن ارقم اور انس بن مالک ابھی زندہ ہیں ان سے دریافت کرلو۔ یہ تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کیا سنا ہے، کیا تم میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو تم کو میرے خون ریزی سے روک دے، اگر تمہیں میرے بیان پر شبہہ ہے یا تم میرے نواسۂ رسول ہونے پر شک کرتے ہو تو واللہ! مشرق و مغرب کے مابین میرے سوا تم میں یا کسی غیر میں تمہارے نبی کا کوئی نواسہ موجود نہیں ہے۔ آخر تم مجھ سے کس بات کا عوض طلب کرتے ہو، کیا میں نے تم میں سے کسی کو قتل کردیا ہے؟ کسی کا مال مار لیا ہے؟ آخر کس بات کا قصاص چاہتے ہو۔ (استقامت ر دسمبر ۱۹۷۹ء بحوالہ طبری جلد ہفتم ص ۳۲۹ ر ۳۳۰)

جب مخالفین کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تو آپ نے پکار کر کہا: اے شبث بن ربعی ! اے حجار بن ابجر ! اے قیس بن اشعث ! اے یزید بن حارث ! کیا تم لوگوں نے خط لکھ کر مجھے نہیں بلایا تھا؟ انہوں نے کہا: ہم نے کوئی خط آپ کو نہیں لکھا تھا۔ آپ نے فرمایا تم لوگوں نے لکھا تھا اور ضرور لکھا تھا۔ اچھا فرض کرلو تم نے نہیں لکھا تھا اور تم نہیں چاہتے تھے کہ میں ادھر آؤں تو مجھے چھوڑ دو تا کہ میں کسی ایسی جگہ چلا جاؤں جہاں امن و امان کی زندگی بسر کرسکوں۔

قیس بن اشعث نے کہا: آپ اپنے قرابت دار یعنی ابن زیاد کے سامنے سر جھکا دیں پھر آپ کے ساتھ کوئی ناپسندیدہ سلوک نہیں ہوگا۔ آپ نے فرمایا تم ایسا کیوں نہ کہو گے، تم محمد بن اشعث ہی کے بھائی تو ہو، کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں کہ مسلم بن عقیل کے

خون کی ذمہ داری تمہیں پر ہے۔ خدا کی قسم میں ذلت کے ساتھ تمہارے ہاتھ میں اپنا ہاتھ ہرگز نہیں دوں گا اور نہ غلاموں کی طرح اطاعت کا اقرار کروں گا۔

المناک شہادتیں

حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اتمامِ حجت کے لئے یزیدیوں کے سامنے جو تقریر فرمائی تھی اس کا ان پر کچھ اثر نہ ہوا بلکہ لڑائی کا اعلان کردیا اور تیروں کی بارش شروع ہوگئی۔ حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے مُصاحبین کے لئے یہ مشکل ترین لمحہ اور سخت آزمائشوں کا وقت تھا۔ چنانچہ آپ کے جانثار ساتھی ایک ایک آگے بڑھتے گئے اور کئی یزیدیوں کو واصل جہنم کرکے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ آپ کے جانثاروں نے بہادری کے وہ جوہر دکھائے جن پر قیامت تک رشک کیا جائے گا۔ جب ایک ایک کرکے امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جانثار ساتھیوں نے جام شہادت نوش کرلیا تو خاندان نبوت کے شیروں نے بڑھ چڑھ کر امام عالی مقام کے سامنے اپنی جانیں پیش کردیں۔ حضرت جعفر طیار کے دو پوتے حضرت محمد اور حضرت عون رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضرت مسلم بن عقیل کے تین بھائی حضرت عبداللہ، حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت جعفر، اسی طرح مولائے کائنات حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پانچ فرزندان حضرت عباس، حضرت عثمان، حضرت عبداللہ، حضرت محمد، حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یکے بعد دیگرے اسلام کی سربلندی کی خاطر اپنی جانوں کو قربان کردیا۔ یوں ہی حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادگان میں سے حضرت قاسم، حضرت عبداللہ، حضرت عمر، حضرت ابوبکر اور امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزندان میں سے حضرت علی اکبر اور حضرت علی اصغر رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

غرضیکہ اہل بیت کے تقریباً ۱۷ رنفوسِ قدسیہ پیغمبرِ اسلام ﷺ کے مشن کو زندہ رکھنے کے لئے اپنی جانوں کی قربانیاں پیش کرکے مرتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ میدانِ کربلا میں ان بہادروں نے بہادری کے وہ بے مثل جوہر دکھائے ہیں جنہیں دنیا کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ ان میں سے خصوصاً حضرت قاسم ابن حسن، حضرت عباس بن علی، حضرت علی اکبر اور حضرت علی اصغر

رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شہادت کے واقعات ہم آپ کے سامنے باختصار پیش کر رہے ہیں، جنہیں پڑھ کر آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ حق کے ان علمبرداروں کو ۲۲ ر ہزار کا عظیم لشکر بھی خوفزدہ نہ کر سکا اور انہوں نے اپنی قلت تعداد کے احساس سے بالکل ہی بے پرواہ ہو کر شجاعت و بہادری کی مثالیں قائم کر کے جامِ شہادت نوش فرمایا اور قیامت تک آنے والی ساری نسلوں کو یہ پیغام دے دیا کہ اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر، پرچم اسلام کو سرنگوں ہونے سے بچانے کے لئے افراد کی قلت و کثرت کے بارے میں سوچنے کی ضرورت نہیں، انہوں نے یہ ثابت کر دکھایا کہ پرستارانِ حق اسلام کی بقا کے لئے اپنی جانیں، اولاد اور اموال سب کچھ قربان کر دیتے ہیں۔ اس لئے کہ ؎

مردِ حق باطل کے آگے مات کھا سکتے نہیں
سر کٹا سکتے ہیں لیکن سر جھکا سکتے نہیں

شہادت فرزند حضرت حسن

ہاشمی خاندان کے مہکتے ہوئے پھول حضرتِ قاسم بن امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما جن کی عمر انیس سال ہے حضرتِ امام عالی مقام کے سامنے دست بستہ کھڑے ہیں، حضرتِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھتے ہی ارشاد فرماتے ہیں: بیٹا قاسم! کیوں کیا بات ہے؟ عرض کیا حضور والا! ابا جان کا جب انتقال ہو رہا تھا اس وقت انہوں نے مجھے ایک تعویذ دیا تھا اور وصیت فرمائی تھی کہ اسے اپنے بازو میں باندھ لینا، ایک وقت آئے گا جب میرے بھائی حسین پر مشکل پڑے گی تب اس تعویذ کو کھول کر دیکھ لینا اور جو کچھ اس میں لکھا ہو گا اس پر عمل کرنا۔ چچا جان! اس سے زیادہ اور کون سی مشکل پیش آئے گی؟ میں نے تعویذ کھولا تو اس میں لکھا ہوا ہے ”قاسم! کربلا کے میدان میں جب وقت آپڑے تو علی اکبر کو میدان میں نہ جانے دینا بلکہ خود پہلے جا کر اپنی جان اللہ کی راہ میں قربان کر دینا“ چچا جان! میں اپنے ابا جان کی وصیت پوری کرنے کے لئے اجازت لینے آیا ہوں۔ حضرتِ امام عالی مقام کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، فرمایا بیٹا! تمہیں دیکھ کر میں اپنے بھائی جان کی یاد تازہ کر لیتا تھا۔ تم ہی بتاؤ کس دل سے اجازت دوں؟ حضرتِ قاسم نے عرض کیا چچا جان! اگر آپ اجازت نہیں دیں گے اور حضرتِ علی اکبر شہید ہو گئے تو کل قیامت کے دن میں

اپنے ابا جان کو کیا جواب دوں گا۔ جب حضرتِ قاسم کا اصرار زیادہ بڑھا تو آپ نے آنکھوں میں آنسو لئے ہوئے انہیں سینے سے لگایا اور اجازت مرحمت فرما دی۔

دشمن کے ایک سپاہی حمید بن مسلم کا بیان ہے کہ جب آپ میدانِ جنگ میں آئے تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چاند کا ٹکڑا نمودار ہو گیا، ان کے جسم پر زرہ بھی نہ تھی بلکہ صرف ایک پیراہن پہنے ہوئے شوقِ شہادت سے میدان میں آ گئے اور یزیدیوں کو مخاطب کر کے فرمایا ”اے دین کے دشمنو! میں قاسم بن حسن بن علی ہوں، میں خاندانِ رسالت کا چشم و چراغ ہوں، جسے میرے مقابلے میں بھیجنا ہو بھیجو“۔

عَمرو بن سعد نے ملک شام کے ایک نامی گرامی پہلوان ’ارزق‘ سے کہا تم اس کے مقابلے میں جاؤ۔ اس نے کہا: اس بچے کے مقابلے میں جانا میری توہین ہے، میں ہرگز ہرگز نہیں جاؤں گا۔ ابنِ سعد نے کہا اسے بچہ نہ سمجھو، یہ حسن کا بیٹا اور فاتح خیبر کا پوتا ہے، اگرچہ تین دن کا بھوکا، پیاسا ہے مگر اس کا مقابلہ آسان نہیں ہے۔ ارزق نے کہا کچھ بھی ہو میں تو نہیں جاؤں گا البتہ اپنے چار بیٹوں میں سے بڑے بیٹے کو بھیج دیتا ہوں، ابھی ایک منٹ میں اس کا سر کاٹ کر لے آئے گا۔

ارزق کا بڑا بیٹا آپ کے مقابلے میں آیا، آپ نے اس کا مقابلہ کیا اور چند منٹوں میں اس کو تڑپا کر رکھ دیا اور اس کی تلوار اٹھالی۔ ارزق کے دوسرے بیٹے نے اپنے بھائی کو خاک و خون میں تڑپتا دیکھا تو غصے میں بھرا ہوا سامنے آیا، آپ نے پہلے ہی وار میں اسے بھی جہنم رسید کر دیا۔ اب تیسرا بھائی انتہائی غیض وغضب میں آیا اور گالیاں بکنے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم گالیوں کا جواب گالیوں سے نہیں دیتے کہ یہ اہلِ بیت نبوت کی شان کے خلاف ہے۔ البتہ تجھے بھی تیرے بھائیوں کے پاس جہنم میں پہنچا دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس پر ایسا حملہ کیا کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس کے بعد ارزق کا چوتھا بیٹا سامنے آیا تو حضرتِ قاسم نے اس کے کندھے پر ایسا وار کیا کہ وہ منہ کے بل زمین پر گر گیا، پھر دوسرا وار اس کے سر پر ایسا مارا کہ سر تن سے جدا ہو گیا۔

جب ہاشمی شیر نے اَرزق کے چاروں بیٹوں کو جہنم رسید کر دیا تو ارزق کا سارا غرور

خاک میں مل گیا اور غصے میں کانپنے لگا اور جن کے مقابلے میں آنا وہ اپنی توہین سمجھتا تھا اب انہی سے لڑنے پر مجبور ہو گیا۔ ہاتھی کی طرح چنگھاڑتا اور شیر کی طرح دہاڑتا ہوا میدان میں آیا اور حضرتِ قاسم کو للکارا کہ لڑ کے تیار ہو جاؤ! اب موت تمہارے سر پر آ گئی ہے۔ آپ نے فرمایا: ارزق ہوش کی دوا کر، تو اوروں کے لئے طاقت کا پہاڑ ہوگا لیکن ہاشمی بہادروں کو تو نے نہیں دیکھا ہے، ہماری رگوں میں شیرِ خدا کا خون ہے، تو ہمارے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ارزق آگ بگولہ ہو گیا اور حضرتِ قاسم پر نیزہ سے حملہ کر دیا۔ آپ نے اس کے وار کو بیکار کر دیا پھر آپ نے بھی نیزہ سے وار کیا جو خالی گیا۔ پھر دونوں طرف سے تلواریں چلنے لگیں۔ اچانک حضرتِ قاسم نے ارشاد فرمایا ارے ارزق! تو اپنے آپ کو اتنا بہادر سمجھتا ہے لیکن ہمارے مقابلے میں آ کر لڑائی کے سارے گُر بھول گیا، اپنے گھوڑے کی زین ذرا کس لے۔ آپ کے اس فرمان پر جیسے ہی ارزق جھکا آپ نے تلوار کا ایک ایسا کاری وار کیا کہ وہ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر گیا............حضرتِ قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھوڑے پر سوار ہو گئے اور خیمے کی طرف آ کر حضرتِ امام کی خدمت میں عرض کیا "یَا عَمَّاهُ اَلْعَطَشُ اَلْعَطَشُ" اے چچا جان! پیاس پیاس۔ چچا جان اگر پانی کا ایک پیالہ مل جائے تو ابھی ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دوں۔ حضرتِ امام عالی مقام نے فرمایا بیٹا! تھوڑی دیر اور صبر کرو، عنقریب تم ساقیِ کوثر حضور سرورِ کائنات ﷺ کے دستِ اقدس سے جامِ کوثر پی کر سیراب ہو جاؤ گے، اس کے بعد پھر کبھی تمہیں پیاس نہیں ستائے گی۔ حضرتِ قاسم پھر میدان میں آئے۔ ابنِ سعد نے چلا کر کہا اس نوجوان کو گھیرے میں لے کر قتل کر دو، چنانچہ دشمنوں نے آپ کو گھیرے میں لے لیا اور گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ آپ کے جسم پر ستائیس زخم آئے، بالآخر شیث بن سعد نے آپ کے سینہ پر ایسا نیزہ مارا کہ آپ گھوڑے سے گر پڑے اور "یَا عَمَّاهُ اَدْرِکْنِیْ" پکارا یعنی اے چچا جان! آیئے اور میری خبر لیجئے۔

حضرتِ امام نے اپنے بھتیجے کی آواز سُنی تو دوڑتے ہوئے آئے، دیکھا کہ جسمِ نازنین زخموں سے چور چور ہے۔ آپ سرِ قاسم کو گود میں لے کر چہرۂ مبارک سے گرد و غبار صاف کرنے

لگے اتنے میں حضرتِ قاسم نے آنکھیں کھولیں اور اپنا سر امام پاک کی گود میں پا کر مسکرائے پھر آپ کی روح پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ (تاریخ کربلا بحوالہ شامِ کربلا)

عباس علمبردار کی شہادت

حضرتِ امام عالی مقام کے علمبردار حضرتِ عباس بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما امام پاک کی خدمت میں آئے اور میدانِ کارزار میں جانے کی اجازت طلب کی، ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا کہ اب مجھ سے علی اصغر اور دوسرے ننھے ننھے بچوں کی پیاس دیکھی نہیں جاتی، آپ مجھے اجازت دیجئے تا کہ میں نہرِ فرات سے ایک مشکیزہ پانی لاؤں اور ان پیاسوں کو پلاؤں۔ حضرتِ امام پاک کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، فرمایا بھائی! تم تو میرے علمبردار ہو، عرض کیا: میری جان آپ پر قربان، اب مجھ سے ننھے ننھے بچوں کی پیاس اور ان کا تڑپنا دیکھا نہیں جاتا، اس لئے آپ اجازت دیجئے تا کہ نہرِ فرات سے پانی لا کر ان کی پیاس بجھا سکوں۔ جب حضرتِ عباس علمبردار کا اصرار زیادہ بڑھا تو حضرتِ امام عالی مقام نے آپ کو سینے سے لگایا اور اشکبار آنکھوں سے رخصت کیا............حضرتِ عباس ایک مشکیزہ کاندھے پر لٹکا کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور نہرِ فرات کی طرف روانہ ہوئے۔ یزیدی فوج نے جب حضرتِ عباس علم بردار کو نہرِ فرات کی طرف آتا دیکھا تو دو ہزار یزیدی لشکریوں نے آپ کا راستہ روک لیا۔ حضرتِ عباس نے یزیدی فوج سے خطاب فرمایا کہ اے کوفیو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور رسول اللہ ﷺ سے شرماؤ۔ افسوس صد افسوس کہ تم لوگوں نے بے شمار خطوط اور قاصد بھیج کر نواسۂ رسول حضرتِ امام عالی مقام کو بلایا اور جب وہ آ گئے تو ان کے ساتھ تم نے بے وفائی کی اور دشمنوں سے مل کر ان کے تمام رفقا اور عزیز و اقارب کو شہید کر دیا اور پردہ نشینانِ اہلبیت اور ننھے ننھے بچوں کو ایک ایک بوند پانی کے لئے ترسایا۔ سوچو اور غور کرو! میدانِ حشر میں ان کے نانا جان حضور سرورِ کائنات ﷺ کو کیا منہ دکھاؤ گے، کوفیوں نے جواب دیا اگر تمام روئے زمین پانی ہو جائے تو بھی ہم لوگ تمہیں پانی کا ایک قطرہ نہ لینے دیں گے۔ ظالموں کا یہ جواب سن کر آپ کو جلال آ گیا، ایک نعرۂ شیرانہ لگایا اور فرمایا حسین سر کٹا سکتے ہیں لیکن فاسق و فاجر کے سامنے جھکا نہیں سکتے۔

فرات کے محافظوں نے یہ کلمات سنے تو حضرتِ عباس پر ٹوٹ پڑے اور تلواروں، نیزوں اور تیروں کی بارش کر دی۔ حضرتِ عباس نے بھی ڈٹ کر ان کا مقابلہ فرمایا اور نہرِ فرات کے قریب پہنچ گئے اور گھوڑے کو فرات میں داخل کر دیا، مشکیزہ بھرا اور ایک چلو پانی کا لیا مگر ننھے ننھے بچوں کا پیاس سے تڑپنا اور بلکنا یاد آیا تو غیرتِ ایمانی نے یہ گوارا نہ کیا کہ ساقیِ کوثر کے دلارے اور علی و فاطمہ کے جگر پارے پیاسے رہیں اور میں سیراب ہو جاؤں، فوراً پانی کو پھینکا اور بھرا ہوا مشکیزہ بائیں کندھے پر لٹکایا اور نکل پڑے۔ چاروں طرف سے شور اٹھا کہ راستہ روک لو، مشکیزہ چھین لو، اگر یہ مشکیزہ خیمۂ حسین تک پہنچ گیا تو پھر ہماری خیر نہیں۔ ادھر حضرت عباس اس کوشش میں تھے کہ کسی بھی طرح اہلِ بیتِ نبوت کے پیاسوں تک یہ پانی پہنچ جائے۔ جب دشمنوں نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا تو آپ نے بپھرے ہوئے شیر کی طرح یزیدیوں پر حملہ کرنا شروع کر دیا، لاش پر لاش گرنے لگی اور خون کی نالی بہنے لگی، اسی طرح آپ برابر دشمنوں کو مارتے، کاٹتے اور چیرتے، پھاڑتے ہوئے خیمۂ حسین کی طرف بڑھتے چلے جا رہے تھے کہ اچانک 'زرارہ' نامی ایک خبیث نے پیچھے سے دھوکہ دے کر ایسی تلوار چلائی کہ آپ کا بایاں ہاتھ کٹ کر کندھے سے الگ ہو گیا، آپ نے فوراً مشکیزہ کو اپنے دائیں کندھے پر لٹکا لیا اور اسی ہاتھ سے تلوار بھی چلاتے رہے کہ پھر اچانک نوفل بن ارزق خبیث نے ایسا وار کیا کہ داہنا ہاتھ بھی کندھے سے کٹ کر الگ ہو گیا۔ اب آپ نے مشکیزہ کو دانتوں سے پکڑ لیا مگر مشکیزہ کا خیمۂ حسینی تک پہنچنا اللہ تعالیٰ کو منظور ہی نہ تھا، ایک بدبخت نے نشانہ لگا کر ایسا تیر مارا کہ مشکیزہ کے پار ہو گیا اور سارا پانی بہہ گیا پھر ظالموں نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر کر زخموں سے چور کر دیا یہاں تک کہ آپ گھوڑے کی زین سے زمین پر آ گئے اور "یَا اَخَاہُ اَدْرِکْنِیْ"، فرمایا یعنی اے بھائی جان! میری خبر گیری فرمایئے۔ امام عالی مقام دوڑ کر تشریف لائے، دیکھا کہ عباس علمبردار خون میں نہائے ہوئے ہیں اور عنقریب جامِ شہادت نوش فرمانے والے ہیں، شدتِ غم سے امام کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوئے "اَلْآنَ اِنْکَسَرَ ظَھْرِیْ" اب میری کمر ٹوٹ گئی۔ پھر حضرتِ عباس کی لاش کو آپ اٹھا کر خیمہ کی طرف لا رہے تھے کہ ان کی روح قفسِ عنصری

سے پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ (تاریخ کربلا بحوالہ شامِ کربلا و روضۃ الشہدا)

علی اکبر کی بہادری

حضرتِ امام عالی مقام نے جب دیکھا کہ جملہ احباب، اقربا اور بھائیوں، بھتیجوں میں سے سب نے جامِ شہادت نوش فرما لیا ہے اور آپ کے ساتھ آپ کے تین صاحبزادوں امام زین العابدین، حضرتِ علی اکبر اور حضرت علی اصغر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سوا اور کوئی باقی نہ رہا، حضرتِ امام زین العابدین بیمار تھے، حضرتِ علی اصغر ابھی شیر خوار تھے اور حضرتِ علی اکبر کی عمر شریف اٹھارہ سال کی تھی۔ آپ نے خود بنفسِ نفیس میدانِ جنگ میں جانے کا ارادہ فرمایا۔ حضرتِ علی اکبر نے جب والدِ گرامی کو میدان میں جاتے ہوئے دیکھا تو آگے بڑھ کر آپ سے لپٹ گئے اور عرض کی ابا جان! آپ میرے ہوتے ہوئے میدانِ جنگ میں کیوں تشریف لے جا رہے ہیں؟ مجھے اجازت دیجئے۔ حضرتِ امام نے محبت بھری نگاہ اپنے فرزندِ ارجمند پر ڈالی اور فرمایا بیٹا! تمہیں کس دل سے اجازت دوں، کیا میں تمہیں خاک و خون میں تڑپنے کی اجازت دوں؟ بیٹا تم نہ جاؤ، یہ یزیدی صرف میرے خون کے پیاسے ہیں، مجھے شہید کرنے کے بعد یہ کسی سے تعارض نہ کریں گے۔ لیکن حضرت علی اکبر نے بہت اصرار کیا اور قسمیں دیں تو امام عالی مقام کو چارو ناچار اجازت دینی پڑی۔

حضرتِ علی اکبر میدانِ جنگ میں جانے کے لئے تیار ہوئے تو امام عالی مقام نے خود اپنے ہاتھوں سے اٹھارہ سالہ حسین و جمیل جوان بیٹے کو گھوڑے پر سوار کیا، اپنے دستِ مبارک سے اسلحے لگائے، تلوار لٹکائی اور نیزہ اپنے دستِ اقدس سے ان کے ہاتھ میں دیا۔ بیٹے نے ابا جان اور خیمہ میں کھڑی ہوئی دکھ رسیدہ بیبیوں کو سلام کیا اور میدانِ جنگ کی طرف چل پڑے۔ حضرتِ علی اکبر جو شکل و صورت میں حضور ﷺ کے بہت مشابہ تھے، میدانِ جنگ میں پہنچے اور مقابل طلب فرمایا لیکن یزیدی لشکر میں سے کوئی سامنے نہ آیا تو آپ نے خود ہی لشکرِ اعدا میں گھس کر حملہ کر دیا اور اشقیا کی صفوں کو درہم برہم کر دیا اور کافی دیر تک لڑتے رہے۔ جب پیاس سے بے قرار ہو گئے تو پلٹ کر ابا جان کی خدمت میں آئے اور عرض کیا "یَا اَبَتَاہُ اَلْعَطَشُ" ابا جان! پیاس کا بہت زیادہ غلبہ ہے۔

حضرتِ امام نے ان کے چہرے کے گرد و غبار صاف کئے اور اپنی انگشتری ان کے منہ میں ڈال دی جس کے چوسنے سے انہیں تسکین ہوئی اور پھر میدان میں آئے اور مبارز طلب فرمایا، عمرو بن سعد کے بار بار غیرت دلانے اور موصل کی گورنری کی لالچ میں طارق نامی ایک پہلوان آپ کے مقابلے میں نکلا، حضرت علی اکبر نے ایسا کاری وار کیا کہ وہ گھوڑے سے گرا اور ڈھیر ہو گیا۔ طارق کے بیٹے عمرو بن طارق نے جب اپنے باپ کا یہ حال دیکھا تو غصے میں آگ بگولہ ہو گیا اور دوڑ کر حضرت علی اکبر پر حملہ کر دیا، شہزادے نے ایک ہی وار میں اس کا بھی کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد طارق کا دوسرا بیٹا طلحہ بن طارق آیا، اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ شہزادے کی ہیبت سے پورا یزیدی لشکر تھرا اٹھا۔ اب یزیدیوں میں سے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ آپ کے مقابلہ میں آئے۔ آخر ابن سعد نے محکم بن طفیل کو ہزار سواروں کے ساتھ یکبارگی حملہ کرنے کے لئے بھیجا، ان بزدلوں نے چاروں طرف سے آپ کو نرغے میں لے لیا اور اس چمنستانِ فاطمی کے پھول کو زخموں سے چور چور کر دیا۔ بالآخر آپ پشتِ زین سے روئے زمین پر آ گئے اور پکارا "یَا اَبَتَاهُ اَدْرِكْنِیْ" اے ابا جان میری خبر گیری فرمایئے۔ حضرت امام عالی مقام گھوڑا بڑھا کر میدان میں پہنچے اور شہزادے کو اٹھا کر خیمہ میں لائے۔ سر کو گود میں لیا اور ان کے چہرۂ انور سے گرد آلود خون صاف کرنے لگے۔ اتنے میں حضرتِ علی اکبر نے آنکھیں کھولیں، ابا جان کا آخری دیدار کیا اور بہشت بریں کو روانہ ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ (تاریخ کربلا بحوالہ شام کربلا و روضۃ الشہدا)

علی اصغر پر ظلم کی انتہا

سید الشہدا حضرتِ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چھوٹے فرزند ارجمند سیدنا علی اصغر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ابھی کم سِن ہیں، شیر خوار ہیں، پیاس سے بیتاب ہیں، شدتِ تشنگی سے تڑپ رہے ہیں، دشمنانِ اسلام یزیدیوں نے میدانِ کربلا میں نہرِ فرات کا پانی ۷ رمحرم الحرام سے بند کر رکھا ہے، تین دن ہو گئے ہیں اہل بیتِ اطہار پر کھانا پانی بند ہے، بھوکی پیاسی ماں کے سینے میں دودھ خشک ہو چکا ہے اور خیمے میں کہیں بھی پانی کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ ایسے عالم میں اس ننھے بچے کی خشک زبان کبھی باہر آتی ہے اور کبھی بے چینی سے پورا بدن ہلنے لگتا

ہے اور غش کھا کر بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ پھر چند لمحہ بعد کبھی ماں کی طرف دیکھتے ہیں اور اپنی سوکھی زبان ماں کی طرف دکھاتے ہیں تو کبھی باپ کو دیکھ کر ان کی طرف دکھاتے ہیں۔ معصوم بچہ کیا جانے کہ ظالموں نے ان کے اوپر دانہ پانی بند کر رکھا ہے۔ جب اس ننھے بچے کی بے تابی حد سے زیادہ بڑھ گئی تو آپ کی والدہ آپ کو گود میں لئے حضرتِ امام عالی مقام کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا میرے سرتاج! اب علی اصغر کی پیاس اور بے تابی دیکھی نہیں جاتی، اس کو گود میں لے کر جایئے اور ظالموں کو دکھایئے، شاید ان سنگ دلوں کو اس ننھے بچے کی پیاس اور بیتابی پر ترس آ جائے اور پانی کے چند گھونٹ اس کو پلا دیں، یہ ننھی سی جان، چھ مہینے کا علی اصغر نہ جنگ کرنے کے لائق ہے اور نہ میدانِ کارزار کے قابل۔

حضرتِ امام عالی مقام اس ننھے سے نورِ نظر کو سینہ سے لگا کر سیاہ دل دشمنوں کے سامنے تشریف لے گئے اور فرمایا اے میرے نانا جان کا کلمہ پڑھنے والو! میں نے اپنا تمام کنبہ اور خاندان و احباب کو تمہاری بے رحمی اور جور و جفا کی نذر کر دیا، اب بھی اگر آتشِ بغض و عناد جوش میں ہے تو اس کے لئے میں ہوں۔ یہ میرا بچہ علی اصغر شیر خوار ہے، پیاس سے دم توڑ رہا ہے، اس کی بے تابی دیکھو اور کچھ شائبہ بھی رحم کا ہو تو اس کا حلق تر کرنے کو ایک گھونٹ پانی دے دو۔

حضرتِ امام عالی مقام کی اس تقریر کا سنگ دل ظالموں پر کوئی اثر نہیں ہوا اور اس بے زبان بچے پر ان کو ذرا بھی رحم نہیں آیا۔ بجائے پانی کے ایک بد بخت ازلی 'حرملہ بن کاہل' نے تیر کا ایسا نشانہ باندھ کر مارا کہ علی اصغر کے حلق کو چھیدتا ہوا امام پاک کے بازو میں پیوست ہو گیا۔ حضرتِ امام نے تیر کھینچا تو حضرتِ علی اصغر کے گلے سے خون کا فوارہ جاری ہو گیا اور بچے نے تڑپ تڑپ کر باپ کی گود میں جان دے دی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

جب حضرتِ امام عالی مقام اس شگوفۂ تمنا کو خیمہ میں لائے اور ان کی والدہ نے اول نظر میں دیکھا کہ بچہ میں بے تابانہ حرکتیں نہیں ہیں، سکون کا عالم ہے تو گمان کیا کہ پانی دے دیا گیا ہوگا، حضرتِ امام سے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا وہ بھی ساقیِ کوثر کے جام رحمت و کرم سے سیراب ہونے کے لئے اپنے بھائیوں سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ چھوٹی سی قربانی بھی

قبول فرمالی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی اِحْسَانِہٖ وَ نَوَالِہٖ

نواسۂ رسول کی شہادت

جاں نثار ایک ایک کر کے رخصت ہو چکے اور حضرت امام عالی مقام پر اپنی جانیں قربان کردیں۔ اب تنہا امام عالی مقام، راکب دوش رسول، شہزادۂ بتول، حضرت علی کے نور نظر، جنتی نوجوانوں کے سردار، شہنشاہ کربلا، پیکر صبر ورضا حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور آپ کے فرزندار جمند حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اپنی بیماری، نقاہت اور کمزوری کی وجہ سے بستر علالت پر ہیں۔ حضرت امام عالی مقام کو تنہا دیکھا تو ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے حضرت امام عالی مقام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: بابا جان! پہلے ہمیں میدان کارزار میں جانے اور اپنی جان نثار کرنے کی اجازت دیجئے، میرے ہوتے ہوئے آپ شہید ہو جائیں یہ نہیں ہوسکتا، حضرت امام عالی مقام نے بیمار نور نظر کو اپنی آغوش محبت میں لیا، پیار کیا فرمایا: بیٹا! ابھی تمہارا وقت نہیں آیا ہے، ابھی تو تمہیں غمزدہ خواتین اہل بیت کی نگہداشت کرنی ہے اور ان بیکسان اہل بیت کو وطن تک پہنچانا ہے۔ میرے فرزند! اللہ تعالیٰ تم ہی سے میری نسل اور حسینی سادات کا سلسلہ جاری فرمائے گا اور جو امانتیں میرے جد و پدر کی میرے پاس ہیں وہ تم کو ادا کرنی ہیں، تم سے بہت ساری امیدیں باقی ہیں۔ دیکھو میرے فرزند! میرے لخت جگر! صبر واستقامت سے رہنا اور راہ حق میں آنے والی ہر تکلیف ومصیبت کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرنا اور ہر حالت میں اپنے نانا جان ﷺ کی شریعت وسنت کی پابندی کرنا اور جب بھی مدینہ پہنچنا تو نانا جان سے میرا اسلام کہنا اور آنکھوں دیکھا سارا حال سنانا، میرے بعد تم ہی میرے جانشین ہو، اس لئے تمہیں میدان کارزار میں جانے کی اجازت نہیں ہے۔

پھر امام عالی مقام نے ان کو تمام ذمہ داریوں کا حامل کیا، اپنی دستار مبارک اتار کر ان کے سر پر رکھی اور اس صبر ورضا کے پیکر کو بستر علالت پر لٹا دیا۔ اب امام پاک اپنے خیمہ میں تشریف لائے، صندوق کھولا، قبائے مصری زیب تن فرمائی، اپنے نانا جان کا عمامہ مبارک سر پر باندھا، سید الشہدا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ڈھال پشت پر رکھی، شیر خدا حضرت

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار ذوالفقار گلے میں حمائل کی اور حضرت جعفر طیار کا نیزہ ہاتھ میں لیا اور اپنے برادر اکبر سیدنا امام حسن کا پٹکا کمر میں باندھا۔ اس طرح شہیدوں کے آقا، جنتی نوجوانوں کے سردار سب کچھ راہ حق میں قربان کر دینے کے بعد اب اپنی جان عزیز کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے تیار ہو گئے، اہل خیمہ نے اس منظر کو کس آنکھوں سے دیکھا ہوگا، ان کا سردار ان سے طویل عرصہ کے لئے جدا ہونے والا ہے، ناز کے پالوں کے سروں سے شفقت پدری کا سایہ اٹھنے والا ہے، نونہالان اہل بیت کے گرد یتیمی منڈلا رہی ہے، ازواج کا سہاگ رخصت ہو رہا ہے، بیکس قافلہ حسرت بھری نگاہوں سے امام کا چہرہ دیکھ رہا ہے، نورانی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، حضرت امام پاک نے اہل بیت اطہار کو خدا کے سپرد فرمایا، سب کو صبر وشکر کی تلقین فرمائی اور سب کو اپنا آخری دیدار کرایا اور آخری سلام کر کے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔

تین دن کے بھوکے پیاسے اور اپنی نگاہوں کے سامنے اپنے بیٹیوں، بھائیوں، بھتیجوں اور جانثاروں کو راہ حق میں قربان کر دینے والے امام پہاڑوں کی طرح جمی ہوئی فوجوں کے مقابلے میں شیر کی طرح ڈٹ کر کھڑے ہو گئے اور میدان کربلا میں ایک ولولہ انگیز رجز پڑھی جو آپ کے نسب اور ذاتی ناخوشی وناراضگی اور ظلم کے انجام سے ڈرانا تھا، اس کے بعد آپ نے ایک فصیح وبلیغ تقریر فرمائی، اس میں آپ نے حمد وصلوٰۃ کے بعد فرمایا:

اے لوگو! تم جس رسول کا کلمہ پڑھتے ہو اسی رسول کا ارشاد ہے کہ جس نے حسن وحسین سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی اور جس نے مجھ سے دشمنی کی اس نے اللہ تعالیٰ سے دشمنی کی۔ تو اے یزیدیو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری دشمنی سے باز آؤ، اگر واقعی خدا اور رسول پر ایمان رکھتے ہو تو ذرا سوچو، اس خدائے سمیع وبصیر کو کیا جواب دو گے؟ اور محسن اعظم ﷺ کو کیا منہ دکھاؤ گے؟ اپنے رسول ﷺ کے لاڈلوں کا گھر اجاڑنے والو اپنے انجام پر نظر کرو۔ بے وفاؤ! تم نے مجھے خطوط اور قاصد بھیج کر بلایا اور کہا کہ ہماری رہنمائی فرمائیے ورنہ ہم خدا کے حضور آپ کا دامن پکڑ کر شکایت کریں گے، اس لئے میں چلا آیا اور جب میں یہاں آ گیا تو تم نے میرے ساتھ برا سلوک کیا اور مظالم کی انتہا کر دی۔ ظالمو! تم نے میرے بیٹوں، بھائیوں اور بھتیجوں کو خاک

وخون میں تڑپایا، میرے رفقا کو شہید کیا اور اب میرے خون کے پیاسے ہو۔ اے یزیدیو! سوچو کہ میں کون ہوں؟ کس کا نواسہ ہوں؟ میرے والد گرامی اور میری والدہ صاحبہ کون تھیں؟ بے غیرتو! اب بھی وقت ہے شرم سے کام لو اور میرے خون سے اپنے ہاتھ کو رنگین کر کے اپنی عاقبت برباد نہ کرو۔ اتنے میں یزیدی لشکر سے شور اٹھا اور کسی ظالم نے کہا اے حسین! ہم کچھ سننا نہیں چاہتے، آپ کے لئے سیدھا راستہ یہ ہے کہ آپ یزید کی بیعت کر لیجئے یا پھر جنگ کے لئے تیار ہو جائیے۔ امام عالی مقام نے فرمایا: اے بدبختو! مجھے خوب معلوم ہے کہ تمہارے دلوں پر مہر لگ چکی ہے اور تمہاری غیرت ایمانی مردہ ہو چکی ہے، اے یزیدیو! میں نے یہ تقریر صرف اِتمامِ حُجت کے لئے کی تھی تا کہ کل تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہم نے حق اور امام برحق کو نہیں پہچانا تھا الحمدللہ! میں نے تمہارا یہ عذر ختم کر دیا، اب رہا یزید کی بیعت کا سوال تو یہ مجھ سے ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا کہ میں فاسق وفاجر کے سامنے سر جھکا دوں۔

امام عالی مقام نے جب دیکھا کہ یہ بدبخت میرے قتل کا وبال اپنی گردنوں پر ضرور لیں گے اور میرا خون بہائے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے تو آپ نے فرمایا: اب تم لوگ جو ارادہ رکھتے ہو اسے پورا کرو اور جسے میرے مقابلہ کے لئے بھیجنا چاہتے ہو بھیجو۔ چنانچہ مشہور جنگجو اور بہادر جو حضرت امام حسین سے مقابلہ کرنے کے لئے محفوظ رکھے گئے تھے ان میں سے ابن سعد نے سب سے پہلے تمیم بن قحطبہ کو آپ کے مقابلے کے لئے بھیجا جو ملک شام کا نامی گرامی پہلوان تھا۔ وہ غرور وتکبر کے کلمات کہتا ہوا اور اپنی بہادری کی ڈینگیں مارتا ہوا حضرت امام کے سامنے آیا اور آتے ہی آپ پر حملہ کرنا چاہا کہ شیر خدا کے شیر نے ذوالفقار حیدری کا ایسا کاری وار کیا کہ اس کا سر تن سے جدا ہو گیا اور اس کی تمام بہادری اور غرور کو خاک میں ملا دیا۔ یہ دیکھ کر یزید ابطحی بڑے کرّوفر کے ساتھ آگے بڑھا اور آپ کے سامنے پہنچ کر ایک نعرہ مارا اور کہا کہ شام وعراق کے بہادروں میں میری بہادری کا غلغلہ ہے، میں روم ومصر میں شہرۂ آفاق ہوں، بڑے بڑے بہادروں کو آنکھ جھپکتے موت کے گھاٹ اتار دیتا ہوں، ساری دنیا کے لوگ میری شجاعت وبہادری کا لوہا مانتے ہیں، کسی میں میرے مقابلہ کی تاب نہیں، آج تم میری قوت وبہادری دیکھ

لو گے۔ امام عالی مقام نے فرمایا تو مجھے جانتا نہیں؟ میں فاتح خیبر شیر خدا مشکل کشا کا شیر ہوں، تم جیسے نامردوں کی میرے نزدیک کوئی حقیقت نہیں ہے، شامی جوان یہ سن کر آگ بگولہ ہو گیا اور فوراً گھوڑا کدا کر آپ پر تلوار کا وار کیا حضرت امام نے اس وار کو بے کار کر کے پھُرتی کے ساتھ اس کی کمر پر ایسی تلوار ماری کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

بدر بن سہیل یہ منظر دیکھ کر غصہ سے لال پیلا ہو گیا اور ابن سعد سے کہا: کن بزدلوں اور بہادری کے نام کو بدنام کرنے والوں کو حسین کے مقابلے میں بھیج دیا، جو دو ہاتھ بھی جم کر مقابلہ نہ کر سکے، میرے چاروں بیٹوں میں سے کسی کو بھیج دے، پھر دیکھ منٹوں میں حسین کا سر کاٹ کر لاتے ہیں۔ چنانچہ ابن سعد نے اس کے بڑے لڑکے کو اشارہ کیا، وہ گھوڑا کداتا ہوا امام عالی مقام کے سامنے پہنچ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ بہت بہتر ہوتا کہ تیرا باپ مقابلہ میں آتا کہ وہ تجھے خاک وخون میں تڑپتا ہوا نہ دیکھتا، پھر آپ نے ذوالفقار حیدری کے ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کر کے جہنم میں پہنچا دیا۔

بدر نے جب اپنے بیٹے کا یہ حشر دیکھا تو غیظ وغضب میں دانت پیستا ہوا گھوڑا دوڑا کر امام کے سامنے آیا اور آتے ہی نیزہ سے وار کیا آپ نے نیزہ کو روکا تو فوراً اس نے تلوار سے حملہ کر دیا، آپ نے اس وار کو بھی خالی کر دیا اور اس پر شمشیر ذوالفقار کا ایسا وار کیا کہ بدر کا سر کٹ کر گیند کی طرح دور جا گرا۔ اسی طرح نئے نئے شمشیر زن، نیزے باز اور بہادران شام وعراق آپ کے مقابلے میں آتے اور گاجر مولی کی طرح کٹ کر ختم ہو جاتے۔ شیر خدا کے شیر نے تین دن کی بھوک پیاس کے باوجود شجاعت وبہادری کا وہ جوہر دکھایا کہ زمین کربلا بہادران شام وعراق کی لاشوں سے کھیت ہو گئی۔ دشمنانِ اسلام کے لشکر میں ایک شور اٹھا کہ اگر جنگ کا یہی انداز رہا تو ہماری جماعت کا ایک بھی سپاہی نہ بچ سکے گا، لہٰذا موقع مت دو اور چاروں طرف سے گھیر کر ایک بارگی حملہ کرو۔ اب سیکڑوں تلواریں چمکنے لگیں اور دشمنان اسلام بڑھ بڑھ کر امام پاک پر حملہ کرنے لگے۔ ادھر آپ کی تلوار ذوالفقار سے آپ جس طرف حملہ کرتے پرے کے پرے کاٹ ڈالتے اور دشمنوں کے سروں کو اس طرح اڑاتے جیسے بادخزاں کے جھونکے درختوں سے پتے گراتے ہیں۔

ابن سعد کو جب اس طرح کی جنگ میں بھی کامیابی نظر نہ آئی تو اس نے حکم دیا کہ چاروں طرف سے تیروں کی بوچھار کردی جائے اور جب خوب زخمی ہو جائیں تو نیزوں سے حملہ کیا جائے تیر اندازوں نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور چاروں طرف سے تیروں کی بارش شروع ہوگئی، حضرت امام کا گھوڑا اس قدر زخمی ہوگیا کہ اس میں کام کرنے کی طاقت نہ رہی، مجبورا حضرت امام کو ایک جگہ ٹھہرنا پڑا، ہرطرف سے تیر آرہے ہیں اور امام مظلوم کا جسم اقدس تیروں کا نشانہ بن رہا ہے۔تن نازنین زخموں سے چور اور لہولہان ہو رہا ہے، بے وفا کوفیوں نے جگر پارۂ رسول، فرزند بتول کو خطوط اور قاصدوں کے ذریعے بلا کر مہمان بنانے کا وعدہ کیا تھا وہ اپنے مہمان کے ساتھ ایسا سلوک کررہے ہیں۔اچانک زہر میں بجھا ہوا ایک تیر آیا اور حضرت امام پاک کی پیشانی پر لگا یہ وہ پیشانی ہے جسے رسول کریم ﷺ نے سیکڑوں بار چوما تھا، تیر لگتے ہی چہرۂ انور پر خون کا دھارا بہہ نکلا، آپ غش کھا کر زمین پر آرہے، اب ظالموں نے نیزوں سے حملہ کردیا، شیطان صفت سنان نے ایک ایسا نیزہ مارا جو تن اقدس کے پار ہوگیا۔ تیر، نیزہ اور شمشیر کے بہتر ۷۲ زخم کھانے کے بعد آپ سجدے میں گرے اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے واصل بحق ہوگئے۔ ۵۶ سال ۵ ماہ ۵ دن کی عمر شریف جمعہ کے دن محرم کی دسویں تاریخ ۶۱ھ مطابق ۶۸۰ء کو امام عالی مقام اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

نضر بن حرشہ آپ کے سر مبارک کو تن اقدس سے جدا کرنے کے لئے آگے بڑھا مگر امام عالی مقام کی ہیبت سے اس کے ہاتھ کانپ اٹھے اور تلوار ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ پھر بد بخت ازلی خولی بن یزید، سنان بن انس، شبل بن یزید، یا شمر خبیث نے آپ کے سر اقدس کو تن سے جدا کردیا۔

یزیدیوں نے سمجھا کہ ہم نے حسین کو مار ڈالا اور وہ مر گئے لیکن زمینِ کربلا کا ذرہ ذرہ زبان حال سے ہمیشہ یہ پکارتا رہے گا کہ اے حسین ۔

تو زندہ ہے واللہ، تو زندہ ہے واللہ!
میری چشمِ عالم سے چھپ جانے والے

نواسۂ رسول، جگر گوشۂ بتول حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صرف بے دردی سے شہید کرنے پر ہی یزیدیوں نے اکتفا نہیں کیا بلکہ آپ کے جسم مبارک پر جو کپڑے تھے اس کو بھی لوٹ لیا۔ چنانچہ اسحاق بن حیوۃ حضرمی نے قمیص اتار لی۔ جب سے اس کا نام قیس قطیفہ مشہور ہوگیا۔ اسود بن خالد نے نعلین مبارک اتار لی۔ بنی نہشل کے ایک شخص نے آپ کی تلوار لے لی جو بعد میں حبیب بن بدیل کے خاندان میں آگئی، اس قدر ظلم وتشدد کرنے کے بعد بھی سنگدل اور خونی شامیوں اور کوفیوں کا جذبۂ بغض وعناد سرد نہ ہوا، اس کے بعد یزیدی فوج نے خیام اہل بیت نبوی پر چھاپہ مارا اور ان کا تمام اسباب وسامان لوٹ لیا۔ حتیٰ کہ پردہ نشینانِ عفاف کے سروں سے چادریں (اوڑھنیاں) اتار لیں، اس کے بعد خیموں میں آگ لگادی گئی۔ (تاریخ کربلا بحوالہ طبری ج۵ ص۲۷۸)

اس کے بعد عمرو بن سعد نے اپنی فوج میں آواز دی کون کون ایسے ہیں جو لاش امام کو گھوڑوں سے پامال کرنے کے لئے تیار ہیں؟ اس پر دس آدمی تیار ہوئے، ان میں اسحاق بن حیوۃ حضرمی بھی تھا، یہ دسوں سوار آئے اور اپنے گھوڑوں سے امام حسین کے جسم اقدس کو پامال کرکے ان کے سینہ وپشت کو چور چور کردیا۔

اس شقاوت وسنگدلی پر زمین کانپ اٹھی، عرش الٰہی تھرا گیا، زمین وآسمان خون کے آنسو روئے اور جن وانس میں صف ماتم بچھ گئی، خاص طور سے اس شقاوت سے اللہ کے رسول ﷺ کو کتنا صدمہ پہنچا ہوگا؟ اس کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟

مقصد شہادت

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! یہ سوال حاشیۂ ذہن پر گردش کرتا ہے کہ آخر وہ کون سا جذبہ تھا جس نے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آپ کے اہل بیت اور اسلامی جاں نثاروں کو جان تک قربان کرنے پر آمادہ کیا؟ کیا مقاصد تھے جن کے حصول کے لیے اتنی قربانیاں دینے کی ضرورت پیش آئی اور انہوں نے ایسا کر دکھایا؟

اسے سمجھنے کے لیے پہلے بعثتِ مصطفیٰ ﷺ کا مقصد جاننا ہوگا، حضور سرورِ کائنات ﷺ کس

مشن کو کامیاب بنانے کی پوری زندگی کوشش کرتے رہے اور اس کے لیے بے شمار قربانیاں پیش کیں، پہلے اسے جاننا ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے "ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ط وَ كَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا o" وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے اور اللہ کافی ہے گواہ۔ (آیت ۲۸، سورۃ الفتح، پ ۲۶)

اس آیت کریمہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تاجدار مدینہ ﷺ کی بعثت کا مقصد دین اسلام کا تمام مذاہبِ باطلہ پر غلبہ ہے، دین اسلام کی سربلندی ہی آقائے کریم ﷺ کی تشریف آوری کا مقصد اور ساری حیات آپ کا یہی مشن رہا، اسی مشن کی کامیابی کے لئے آپ کو دندان مبارک شہید کرانے پڑے، اسی کی خاطر آپ کا جسم اقدس زخمی ہوا، اسی کی خاطر بلال حبشی کو تپتی ہوئی ریت پر کھینچا گیا، اس مقصد کے حصول کے لئے صحابۂ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کو بدر وحنین اور ان کے علاوہ کئی معرکوں میں اپنی گردنیں کٹانی پڑیں، حتی کہ اپنی ساری مکی ومدنی زندگی میں آقائے دوجہاں ﷺ اسی مشن کی کامیابی کے لئے جسمانی اذیتیں اور دلی تکلیفیں برداشت کرتے رہے پھر آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مشن کی بقا کا کام اپنے ذمہ لیا، آپ کے بعد فاروق اعظم نے اس مشن کو زندہ رکھا، پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پھر مولائے کائنات اسلام کی سربلندی کے مشن کو عام کرتے رہے، غرضیکہ ۶۰ھ تک یہ مشن تمام تر کامیابیوں کے ساتھ زندہ رہا لیکن ۶۰ھ کے بعد صورت حال بدلنے والی تھی کیوں کہ اب امارت کا دعویٰ ایک ایسے شخص نے کر دیا تھا جس کی زندگی میں اسلام کے اثرات بھی نظر نہیں آرہے تھے۔

ایک ڈکٹیٹر جو تارک صلوٰۃ بھی تھا اور فاسق وظالم بھی، وہ بدعملی کا مجسمہ تھا، اس نے خلافت سنبھالنے کا دعویٰ کر دیا، اس مقام پر امام عالی مقام نے سوچا کہ اگر یزید تخت خلافت پر بیٹھ گیا تو سارے معاشرے میں بدعملی پھیل جائے گی، رسول اللہ ﷺ کا مشن رک جائے گا، جس کے لئے آپ نے اور آپ کے جانثار صحابہ نے بے شمار قربانیاں پیش کیں، امام حسین نے یہ فیصلہ

فرمادیا کہ چاہے جو ہو جائے لیکن یزید کی بیعت قبول نہ کروں گا، اپنے پیارے نانا جان کے مشن کو زندہ رکھنے کے لئے ایک باوفا اور امین نواسے کی حیثیت سے امام حسین نے اپنی جان اور اپنا گھر بار لٹا کر پرچم اسلام کو بھی سربلند کیا اور اس کی معاشرتی قدروں کو بھی بحال کیا، اگر یزید کے ہاتھ پر امام عالی مقام بیعت کر لیتے تو معاشرے میں گناہوں کا رواج ہو جاتا، شراب نوشی، ترک صلوٰۃ وغیرھا گناہوں کو جرم نہ سمجھا جاتا۔ کیونکہ یہ ساری دنیا جانتی ہے اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْكِهِمْ بادشاہ جیسے ہوتے ہیں رعایا ویسی بن جاتی ہے، حکمرانوں کی بدعملی عوام کو بدکردار بنا دیتی ہے اور امام حسین یہ بھی گوارا نہیں کر سکتے کہ ان کے نانا جان کے امتی ان کے تشکیل کردہ نظام اور ان کے بنائے ہوئے قانون حیات سے دست بردار ہو جائیں، اس لئے امام عالی مقام نے اپنی گردن تو کٹا دی لیکن اپنا ہاتھ یزید پلید کے ہاتھ میں نہ دیا اور قیامت تک آنے والے سارے مسلمانوں کو یہ پیغام دیا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ اسلام کا پرچم سربلند رہے، اس کا نظام زندہ رہے تو پھر ہر لمحہ اسلام کے راستہ میں قربانیاں دینے کے لئے تیار رہو اور جان دینا پڑے تو جان دیدو لیکن اپنے آپ کو کبھی بھی باطل کے حوالہ مت کرو۔

قاتلان امام کا انجام

حضرت عامر بن سعد البجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد میں نے خواب میں حضور ﷺ کو دیکھا۔ آپ نے فرمایا: اے عامر! میرے صحابی براء بن عازب کے پاس جا کر میرا اسلام کہہ اور خبر دے کہ جنھوں نے میرے بیٹے حسین کو قتل کیا ہے وہ دوزخی ہیں۔ پس میں نے براء بن عازب کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ خواب بیان کیا، انہوں نے سن کر فرمایا: اللہ کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا۔ (سعادت الکونین ص ۱۵۴)

حاکم نے سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ " اَوْحَی اللّٰهُ اِلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ اِنِّیْ قَتَلْتُ بِیَحْیَ بْنِ زَكَرِیَّا سَبْعِیْنَ اَلْفًا وَّاِنِّیْ قَاتِلٌ بِابْنِ بِنْتِكَ سَبْعِیْنَ اَلْفًا وَّ سَبْعِیْنَ اَلْفًا " یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس وحی بھیجی کہ میں نے یحیٰ بن زکریا کے عوض ستر ہزار کو مارا اور اے محبوب! تمہارے نواسے کے عوض ستر ہزار اور ستر ہزار یعنی

ایک لاکھ چالیس ہزار کو ماروں گا۔ (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۰۸)

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد سرزمین شام پر قہر الٰہی کا آتش فشاں پھٹ پڑا اور ایک ایک گستاخ سے مواخذہ ہوا، ایک ایک موذی کو سزا ملی۔ دمشق سے کوفہ اور کربلا تک کے سارے ستم گر لرزہ دینے والی ہلاکتوں کا نشانہ بنے، یزیدی اقتدار قہر وغضب کی کڑکتی ہوئی بجلیوں سے لرز گیا اور آبادیوں میں ہولناک بیماریاں اور بلائیں پھوٹ پڑیں۔

ابن جوزی زہری سے روایت کرتے ہیں کہ قاتلان امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سے کوئی بھی شخص دنیا میں سزا سے نہ بچا، بعض کو قتل کی سزا ملی، بعض اندھے ہوگئے اور جو لوگ بر سر اقتدار تھے بہت تھوڑی مدت میں ان کا اقتدار جاتا رہا۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: حضرت امام حسین کی شہادت کے بعد جو فتنے برپا ہوئے اور جن کا ذکر تاریخوں میں آتا ہے ان میں سے اکثر بالکل صحیح ہیں۔ (الحسین عربی ص ۱۶۴)

عبدالملک کے زمانے میں جب مختار بن ابوعبید ثقفی کوفہ کا حاکم مقرر ہوا تو اس نے سب سے پہلے امام حسین کے قاتلوں سے انتقام کا نعرہ بلند کیا اور لوگوں سے کہا کہ مجھے ہر اُس شخص کا نام و پتہ بتاؤ جو حضرت امام حسین کے مقابلے میں کربلا گیا تھا۔ لوگوں نے بتانا شروع کیا اور مختار ثقفی نے ایک ایک کو گرفتار کرنا اور شاہراہوں پر قتل کرنا شروع کیا۔

یزید بن معاویہ کا انجام

دمشق کے بھرے دربار میں اہل بیت کے ایک مظلوم نے یزید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔ ''اے یزید سن لے! حسین کے خون سے جس سلطنت کو تو نے پانی دیا ہے تیری اولاد بھی اس پر نہیں تھوکے گی'' اس جرأت مندانہ خطاب پر سارا دربار سناٹے میں آگیا تھا اور سامعین کے دلوں میں یہ بات اتر گئی تھی کہ خاندان اہل بیت رسالت کے مظلوم کی یہ آہ کبھی خالی نہیں جائے گی۔

واقعۂ کربلا کے کچھ ہی دنوں بعد یزید ایک ہلاکت آفریں اور انتہائی موذی مرض میں مبتلا ہوا۔ پیٹ کے درد اور آنتوں کے زخم کی ٹیس سے ماہیِ بے آب کی طرح تڑپتا رہتا تھا، حمص میں جب اسے اپنی موت کا یقین ہوگیا تو اپنے بڑے لڑکے معاویہ کو بستر مرگ پر بلایا اور اُمورِ

سلطنت کے بارے میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ بے ساختہ بیٹے کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور نہایت ذلت وحقارت کے ساتھ یہ کہتے ہوئے باپ کی پیشکش کو ٹھکرا دیا کہ ''جس تاج وتخت پر آل رسول کے خون کے دھبے ہیں میں اسے ہرگز قبول نہیں کرسکتا، خدا اس منحوس سلطنت کی وراثت سے محروم رکھے جس کی بنیاد سبط رسول کے خون پر رکھی گئی ہے''

یزید اپنے بیٹے کے منہ سے یہ الفاظ سن کر تڑپ گیا اور شدت رنج والم سے بستر پر پاؤں پٹکنے لگا، تکلیف کی شدت سے خنزیر کی طرح چیختا تھا، پانی کا قطرہ حلق سے نیچے اترنے کے بعد نشتر کی طرح چبھنے لگتا تھا، عجیب قہر الٰہی کی مار تھی، پانی کے بغیر بھی تڑپتا تھا اور پانی پی کر بھی چیختا تھا بالآخر درد کی شدت سے تڑپ تڑپ کر اس کی جان نکلی، لاش میں ایسی ہولناک بدبو تھی کہ قریب جانا مشکل تھا، جیسے ویسے اس کو سپرد خاک کیا۔ (نقش کربلا ص ۶۵)

ابن زیاد کا انجام

عبیداللہ ابن زیاد یہ وہ بدبخت وبدنہاد انسان ہے جو یزید کی طرف سے کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا تھا، اسی بدبخت کے حکم سے حضرت امام مسلم اور ان کے یتیم بچوں کی شہادت ہوئی اور امام حسین اور آپ کے اہل بیت واصحاب کو تمام ایذائیں پہونچائی گئیں، یہی ابن زیاد موصل میں تیس ہزار فوج کے ساتھ اترا۔ مختار نے ابراہیم بن مالک اشتر کو اس کے مقابلے کے لئے ایک فوج کو لے کر بھیجا۔ موصل سے تقریباً ۲۵ رکلومیٹر کے فاصلے پر دریائے فرات کے کنارے دونوں لشکروں میں مقابلہ ہوا اور صبح سے شام تک خوب جنگ رہی، جب دن ختم ہونے والا تھا اور آفتاب غروب ہونے کے قریب تھا اس وقت ابراہیم کی فوج غالب آئی، ابن زیاد کو شکست ہوئی اور اس کے ہمراہی بھاگے۔

ابراہیم نے حکم دیا کہ مخالف فوج میں سے جو ہاتھ آئے اس کو زندہ نہ چھوڑا جائے چنانچہ بہت سے ہلاک کئے گئے، اسی ہنگامے میں ابن زیاد بھی فرات کے کنارے محرم کی دسویں تاریخ ۶۷ھ میں مارا گیا اور اس کا سر کاٹ کر ابراہیم کے پاس بھیجا گیا، ابراہیم نے مختار کے پاس کوفہ بھجوایا، مختار نے دارالامارہ کوفہ کو آراستہ کیا اور اہل کوفہ کو جمع کرکے ابن زیاد کا سر ناپاک اسی جگہ

رکھوایا جس جگہ اس مغرور حکومت و بندۂ دنیا نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر رکھا تھا۔
مختار نے اہل کوفہ کو خطاب کر کے کہا: اے اہل کوفہ! دیکھ لو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون ناحق نے ابن زیاد کو نہ چھوڑا، آج اس نامراد کا سر اس ذلت و رسوائی کے ساتھ یہاں رکھا ہوا ہے، چھ سال ہوئے ہیں، وہی تاریخ ہے، وہی جگہ ہے خداوند عالم نے اس مغرور فرعون خصال کو ایسی ذلت و رسوائی کے ساتھ ہلاک کیا، اسی کوفہ اور اسی دارالامارہ میں اسی بے دین کے قتل و ہلاکت پر جشن منایا جا رہا ہے۔ (ایضاً ص ۱۴۲)

ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ جس وقت ابن زیاد اور اس کے سرداروں کے سر مختار کے سامنے لاکر رکھے گئے تو ایک بڑا سا سانپ نمودار ہوا، اس کی ہیبت سے لوگ ڈر گئے، وہ تمام سروں میں پھرا جب عبید اللہ ابن زیاد کے سر کے پاس آیا تو اس کے نتھنے میں گھس گیا اور تھوڑی دیر ٹھہر کر اس کے منہ سے نکلا، اسی طرح تین بار سانپ اس کے سر کے اندر داخل ہوا اور غائب ہو گیا۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۷۹۴)

قاتلان حسین پر طرح طرح کے عذاب

حضرت ابوالشیخ فرماتے ہیں کہ ایک مجلس میں لوگ آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل میں جس کسی نے بھی کسی طرح کی اعانت کی وہ مرنے سے پہلے کسی نہ کسی عذاب میں ضرور مبتلا ہو گیا، اسی مجلس میں ایک بوڑھا بیٹھا ہوا تھا اس نے کہا کہ میں نے بھی تو مدد کی تھی مگر میں کسی عذاب میں مبتلا نہیں ہوا۔ اتنے میں وہ چراغ درست کرنے کے لئے اٹھا تو اس کی آگ نے بڈھے کو پکڑ لیا، جس سے اس کا پورا بدن جلنے لگا، وہ آگ آگ چلاتا ہوا دریائے فرات میں کود پڑا مگر آگ نہیں بجھی اور اسی میں وہ مر گیا۔ اسی طرح کا ایک واقعہ امام سدی سے بھی منقول ہے۔ انہوں نے فرمایا خدا کی قسم! میں نے اسے دیکھا کہ جلتے ہوئے وہ کوئلہ کی طرح ہو گیا۔ (تاریخ کربلا بحوالہ صواعق محرقہ ص ۶۴۸)

سبط ابن جوزی نے واقدی سے بیان کیا ہے کہ ایک بوڑھا آپ کے قتل میں شریک ہوا تو وہ اندھا ہو گیا۔ اس سے اندھے پن کا سبب پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ میں نے رسول

اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ آستین مبارک چڑھائے ہوئے اور ہاتھ شریف میں ننگی تلوار لئے ہوئے کھڑے ہیں اور آپ کے سامنے ایک چمڑا بچھا ہوا ہے اور دس قاتلان امام حسین ذبح کئے پڑے ہیں۔ جب آپ کی نگاہ مجھ پر پڑی تو بہت لعنت و ملامت کی اور خون میں ڈبو کر ایک سلائی میری آنکھ میں پھیر دی، اسی وقت سے میں اندھا ہو گیا۔ (ایضاً)

مصنف صواعق محرقہ حضرت علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ یزید کے لشکر کا ایک سپاہی جس نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک کو اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا تھا، کچھ دنوں بعد اس کا چہرہ کالا ہو گیا۔ لوگوں نے اس سے اس کا سبب پوچھا کہ تو اتنا خوبصورت تھا اتنا کالا کیسے ہو گیا؟ اس نے کہا جس روز میں نے امام حسین کے سر کو اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا تھا اسی روز سے ہر رات کو دو آدمی میرے گھر آتے ہیں اور مجھے پکڑ کر ایسی جگہ لے جاتے ہیں جہاں آگ ہوتی ہے، پھر مجھے منہ کے بل اس آگ میں ڈال کر نکالتے ہیں اسی وجہ سے میرا منہ کالا ہو گیا ہے اس کے بعد وہ بہت بری موت سے مرا۔ (ایضاً)

اسی طرح مروی ہے کہ ایک بڈھے نے بیان کیا کہ میں نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے سامنے ایک طشت رکھا ہوا ہے جو خون سے بھرا ہوا ہے اور لوگ آپ کے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں اور آپ اس خون سے ان کی آنکھوں میں لگا رہے ہیں یہاں تک کہ میں بھی آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں تو قتل حسین کے وقت موجود نہیں تھا، تو حضور ﷺ نے فرمایا: تو اس کی تمنا رکھتا تھا کہ حسین قتل ہو۔ پھر آپ نے میری طرف اپنی انگلی سے اشارہ کیا تو میں اندھا ہو گیا۔ (ایضاً)

علامہ بارزی حضرت منصور سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ملک شام میں ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کا منہ سور جیسا تھا، انہوں نے اس سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ وہ روزانہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک ہزار مرتبہ اور جمعہ کے دن چار مرتبہ اور ان کی اولاد پر لعنت بھیجا کرتا تھا۔ تو ایک رات اس نے خواب میں دیکھا اور لمبا خواب بتایا، جس میں ایک بات یہ بھی تھی کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی لعنت بھیجنے کی حضور ﷺ کی

خدمت اقدس میں شکایت کی تو آپ نے اس پر لعنت فرمائی اور اس کے منہ پر تھوک دیا تو اس کا منہ سور جیسا ہو گیا اور لوگوں کے لئے ایک نشان ہو گیا۔ (ایضا)

غرض کہ مختار نے بہت سے لوگوں کو ہلاک کیا اور بے شمار لوگ طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہو گئے۔ اسی طرح وعدۂ الٰہی پورا ہوا اور کل ایک لاکھ چالیس ہزار لوگ قتل امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عوض مارے گئے۔

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

مختار ثقفی کا حشر

مختار نے قاتلان امام حسین کے بارے میں بڑا شاندار کارنامہ انجام دیا لیکن آخر میں نبوت کا دعویٰ کر کے مرتد ہو گیا۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا تو آپ نے اس پر لشکر کشی کی اور ٦٧ھ میں مختار پر غلبہ پا کر اس ملعون کو قتل کر دیا۔ (تاریخ کربلا)

حسین آج بھی زندہ ہیں

سانحۂ کربلا سے پہلے بھی بہت سارے جنگی حادثات وواقعات رونما ہوئے، بڑی بڑی جنگیں ہوئیں، غلبۂ دین اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے جلیل القدر صحابۂ کرام نے اپنی جانیں نچھاور کیں، لیکن افسوس! قوم مسلم کے لئے بہت بڑا المیہ ہے کہ وہ تاریخ اسلام سے بالکل نا آشنا ہے، اگر یہ پوچھا جائے کہ سب سے پہلی اسلامی جنگ کونسی ہے؟ تو اس کا جواب نہیں ملتا، رسول اعظم ﷺ کے چہیتے چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس طرح جان نچھاور کی کہ آپ کے کلیجہ کو چبایا گیا، اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان کا یوم شہادت اور تاریخ شہادت کیا ہے؟ تو قوم لا علمی کا اظہار کرتی ہے، بلکہ حد تو یہ ہے کہ جن جنگوں میں حضور رحمتِ عالم ﷺ نے بنفسِ نفیس شرکت فرمائی ان کے نام تک معلوم نہیں۔۔۔۔۔۔ بہر حال عرض یہ کرنا ہے کہ شہادتیں پہلے بھی ہوئی ہیں، جنگیں پہلے بھی لڑی گئی ہیں لیکن شہدائے بدر واحد کی بارگاہ میں ایسا خراج نہیں پیش کیا جاتا۔ جیسا کہ تاجدارِ کربلا کی بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے، کیا وجہ ہے کہ دوسری شہادتوں

کی بہ نسبت شہادتِ نواسۂ مصطفیٰ ﷺ کو زندہ رکھا گیا ہے؟ دوسرے ایام کی بہ نسبت یوم شہادتِ حسین کو پوری دنیا میں اس قدر جوش وخروش کے ساتھ کیوں یاد کیا جاتا ہے؟

وجہ یہ ہے کہ امام حسین کی قربانی طلب جاہ و دولت کے لئے نہ تھی، بلکہ آپ کی جنگ اپنے نانا جان کے عظیم مشن کو زندہ رکھنے کے لئے تھی، آپ کا معرکہ نظام اسلامی کے تحفظ کے لئے تھا، اسی لئے جب تک یہ مشن زندہ رہے گا آپ کی یادیں زندہ رہیں گی، جب تک یہ نظام محفوظ ہوگا آپ کی شہادت زندہ رہے گی، جس طرح سے حضور تاجدارِ مدینہ کا یہ مشن کبھی مردہ نہیں ہوسکتا اسی طرح دنیا کبھی بھی آپ کی شہادت اور قربانی کو فراموش نہیں کر سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا نے بہت کچھ بھلا دیا لیکن شہادتِ حسین کو نہ بھلا سکی، لہٰذا یوم شہادتِ حسین اس وقت تک منایا جاتا رہے گا جب جب تک کہ اسلام دنیا میں زندہ رہے گا۔ اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ امام حسین آج بھی زندہ ہیں اور تا قیامت زندہ رہیں گے۔

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! ایک بہت ہی اہم فرق جو غزواتِ صحابہ اور معرکۂ کربلا میں ہے وہ یہ ہے کہ ان معرکوں میں اسلام اور کفر کا تصادم تھا جب کہ میدانِ کربلا میں تاجدارِ کربلا کے مقابل کافر، مشرک اور بت پرست نہ تھے بلکہ وہ تھے جو نمازیں بھی پڑھتے تھے، روزے بھی رکھتے تھے، تاجدارِ کربلا کے نانا کا کلمہ بھی پڑھتے تھے، لیکن حرصِ جاہ و دولت نے انہیں اندھا کر دیا تھا اور ایک فاسق وفاجر کے پرچم تلے جمع ہو کر نواسۂ رسول سے برسرِ پیکار تھے۔ صرف نماز، روزہ وغیرہ اعمالِ صالحہ کی پابندی اہلِ حق ہونے کے لئے کافی ہوتی تو کبھی یہ معرکہ نہ رونما ہوتا، اس معرکہ نے یہ واضح کر دیا کہ نماز، روزے کا لبادہ اوڑھنے والے بھی اسلام دشمن ہو سکتے ہیں اور صرف اہلِ کفر ہی نہیں بلکہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ادا کرنے والے بھی اسلامی روپ اختیار کر کے اسلام کی جڑوں کو کھوکھلی کر سکتے ہیں۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ اصلی اسلام کو سمجھیں اور حقیقی مسلمانوں کو پہچانیں کیوں کہ تاجدارِ کربلا نے یہ واضح کر دیا کہ ہر نمازی وعبادت گزار قابلِ اطاعت وتقلید نہیں ہوسکتا، اسی لئے ہم پر لازم ہے کہ دورِ حاضر کے ان نام نہاد مسلمانوں اور اسلام بہروپ اختیار کرنے والوں

سے اپنے ایمان وعقیدے کی حفاظت کریں، جو در پردہ اسلام دشمنی میں لگے ہوئے ہیں۔

صحیح اسلام وہی ہے جس کا تحفظ میدانِ کربلا میں تاجدارِ کربلا نے کیا اور اسے نئی زندگی بخشی اور آج صحیح اسلام وہی ہے جسے تیرہویں صدی میں تاجدارِ کربلا کے شیدا امام احمد رضا نے آیاتِ قرآنی اور ارشادات وفرموداتِ رسول ﷺ کے ذریعہ جلا بخشی اور اس کی تجدید کی، مسلکِ اعلیٰ حضرت نہ تیرہویں صدی کا کوئی نیا مذہب ہے اور نہ ہی کوئی نیا فرقہ بلکہ تاجدارِ کربلا حضرتِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس مشن کے تحفظ کے لیے اپنی پیاری جان قربان کی، چودہویں صدی میں اسی مشن کی ترجمانی اور سنتِ نبوی کا احیا محدثِ بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا جسے مسلکِ اعلیٰ حضرت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، مسلکِ اعلیٰ حضرت مسلکِ اہل سنت ہی کا دوسرا نام ہے اور مسلکِ تاجدارِ کربلا کا حقیقی ترجمان ہے۔

☆☆☆☆☆

یوم عاشورہ کیا ہے؟

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! لفظِ عاشورہ ''عشر'' سے بنا ہوا ہے جو کہ دسویں کے معنی میں ہے۔ عاشورہ کو عاشورہ کہنے کی چند وجہیں ہیں:

۱۔ یہ ماہِ محرم الحرام کا دسواں دن ہوتا ہے اس وجہ سے اس دن کو عاشورہ کہتے ہیں۔

۲۔ سال کے دس ایام کو اللہ عزوجل نے بزرگی عطا فرمائی ہے، ان میں سے یہ دن دسویں منزل پر ہے، اس لئے اس دن کو عاشورہ کہا جاتا ہے۔

۳۔ اس دن اللہ عزوجل نے دس انبیائے کرام علیہ السلام پر خصوصی عنایتیں فرمائیں، اس نسبت سے اس دن کو عاشورہ کہا جاتا ہے۔ (ملخص از غنیۃ الطالبین)

یومِ عاشورہ کے اہم واقعات

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! عاشورہ کے دن کئی ایسے واقعات رونما ہوئے جو اسلامی تاریخ کے صفحات کی زینت بنے ہوئے ہیں، اختصار کے ساتھ ان میں سے چند واقعات ہم ذکر کررہے ہیں:

☆ اسی دن اللہ تعالیٰ نے اپنی شان کے مطابق عرش پر اِستوا فرمایا۔
☆ اسی دن پہلی بارش نازل ہوئی۔
☆ اسی دن پہلی رحمت نازل ہوئی۔
☆ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرتِ آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی۔
☆ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرتِ ادریس علیہ السلام کو اس مقام بلند کی طرف اٹھالیا۔
☆ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرتِ نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہرادیا۔
☆ اسی دن حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔
☆ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا۔
☆ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کو نارِ نمرود سے محفوظ فرمایا۔
☆ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرتِ داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی۔
☆ اسی دن حضرتِ سلیمان علیہ السلام کو حکومت واپس ملی۔
☆ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرتِ ایوب علیہ السلام کی تکلیف دور فرمایا۔
☆ اسی دن حضرتِ موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔
☆ اسی دن حضرتِ موسیٰ علیہ السلام جادوگروں پر غالب آئے۔
☆ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کو سلامتی کے ساتھ سمندر پار کرایا۔
☆ اسی دن اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق فرمایا۔
☆ اسی دن حضرتِ یونس علیہ السلام پیدا ہوئے۔
☆ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرتِ یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نجات عطا فرمائی۔
☆ اسی دن حضرتِ یعقوب علیہ السلام کی بینائی واپس آئی۔
☆ اسی دن حضرتِ یوسف علیہ السلام کنویں سے نکلے۔
☆ اسی دن حضرتِ یوسف علیہ السلام قید سے آزاد ہوئے۔
☆ اسی دن حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

☆ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھالیا تھا۔

☆ اسی دن حضور نبیِ اکرم ﷺ نے حضرتِ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔

☆ اسی دن حضرتِ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرتبۂ شہادت ملا۔

☆ اسی دن قیامت آئے گی۔ (عجائب المخلوقات، غنیۃ الطالبین)

یومِ عاشورہ اور زمانۂ جاہلیت

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! یہودی یومِ عاشورہ کو اپنے لئے نجات کے طور پر مناتے تھے کیوں کہ اس دن ان کو فرعون کے ظلم وستم سے نجات ملی تھی۔ صاحبِ تفسیر ابنِ کثیر نے بھی ''وَ اِذْ نَجَّیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ'' کی تفسیر میں اس بات کی طرف اشارہ دیا ہے کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ نے دیکھا کہ یہود عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہیں تو آپ نے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو یہودیوں نے کہا ''ھٰذَا الْیَوْمُ الَّذِیْ اَظْھَرَ اللّٰہُ فِیْہِ مُوْسٰی وَ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ عَلٰی فِرْعَوْنَ فَنَحْنُ نَصُوْمُہٗ تَعْظِیْمًا لَّہٗ'' یہ وہ دن ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرتِ موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو فرعونیوں کے مقابلے میں فتح ونصرت سے نوازا تھا لہٰذا ہم لوگ اس دن کے احترام کے لئے روزہ رکھتے ہیں۔ (مسلم شریف)

عاشورہ کے دن غسل و عبادت

اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے عاشورہ کے دن غسل کیا وہ مرض الموت کے سوا کسی بھی بیماری میں مبتلا نہ ہوگا۔ (غنیۃ الطالبین)

حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے عاشورہ کی شب عبادت کی تو اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا اس کو زندہ رکھے گا۔ (غنیۃ الطالبین)

عاشورہ اور اعمالِ صالحہ

نبی اکرم تاجدارِ عرب وعجم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے عاشورہ کے دن پتھر کا سرمہ آنکھ میں لگایا تمام سال اس کو آشوبِ چشم نہیں ہوگا، جس نے اس دن کسی کی عیادت کی گویا اس نے تمام اولادِ آدم کی عیادت کی، جس نے عاشورہ کے دن کسی کو ایک گھونٹ پانی پلایا اس نے گویا

ایک لمحہ کو اللہ کی نافرمانی نہیں کی۔ (غنیۃ الطالبین)

یتیم پر شفقت

اللہ کے پیارے رسول صاحبِ لولاک ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے عاشورہ کے دن کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا تو یتیم کے سر کے ہر بال کے عوض جنت میں اس کا مرتبہ بلند کیا جائے گا۔ (غنیۃ الطالبین)

عاشورہ کے دن کی نفل نماز

حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ عاشورہ کے دن چار رکعتیں دو سلاموں کے ساتھ پڑھے، اس طرح کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ زلزال، سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص ایک ایک دفعہ پڑھے اور نماز کے بعد ستر بار درود شریف پڑھے۔

دوسری روایت میں ہے کہ جس نے عاشورہ کے دن چار رکعت نماز اس طرح پڑھی کہ ہر رکعت میں ایک دفعہ سورۂ فاتحہ اور پچاس بار سورۂ اخلاص پڑھی اللہ تعالیٰ اس کے پچاس برس گزشتہ اور پچاس برس آئندہ کے گناہ معاف فرمائے گا، ملاِ اعلیٰ میں اس کے لئے نور کے ہزار محل تعمیر فرمائے گا۔ (غنیۃ الطالبین)

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! بہتر تو یہ ہے کہ عاشورہ کی پوری رات ہی عبادت میں گزاری جائے اور اگر یہ مشکل ہو تو رات کے آخری حصہ میں ضرور عبادت کی جائے کہ وقت تو عام راتوں میں بھی قبولیتِ دعا اور نزولِ رحمت کا ہے، ساری رات ان مصائب و آلام کا تصور بھی رہنا چاہئے جو عاشورہ کی صبح امام عالی مقام حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے رفقا کو پہنچے کہ یہ تصور بھی حصولِ رحمت و برکت کا ذریعہ ہے۔

ایک سال تک زندگی کا بیمہ

یہ دعا بہت مجرّب ہے۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص عاشورۂ محرم کو طلوعِ آفتاب سے غروبِ آفتاب تک اس دعا کو پڑھ لے یا کسی سے پڑھوا کر سن لے تو ان شاء اللہ تعالیٰ سال بھر تک اس کی زندگی کا بیمہ ہو جائے گا، ہرگز موت نہ

آئے گی اور اگر موت آنی ہی ہے تو عجیب اتفاق ہے کہ پڑھنے کی توفیق نہ ہوگی۔

دعائے عاشورہ

يَا قَابِلَ تَوْبَةِ اٰدَمَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ يَا فَارِجَ كَرْبِ ذِى النُّوْنِ يَوْمَ عَاشُوْرَآءَ يَا جَامِعَ شَمْلِ يَعْقُوْبَ يَوْمَ عَاشُوْرَآءَ يَا سَامِعَ دَعْوَةِ مُوْسٰى وَ هَارُوْنَ يَوْمَ عَاشُوْرَآءَ يَا مُغِيْثَ اِبْرَاهِيْمَ مِنَ النَّارِ يَوْمَ عَاشُوْرَآءَ يَا رَافِعَ اِدْرِيْسَ اِلَى السَّمَآءِ يَوْمَ عَاشُوْرَآءَ يَا مُجِيْبَ دَعْوَةِ صَالِحٍ فِى النَّاقَةِ يَوْمَ عَاشُوْرَآءَ يَا نَاصِرَ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ ﷺ يَوْمَ عَاشُوْرَآءَ يَا رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ رَحِيْمَهُمَا صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ صَلِّ عَلٰى جَمِيْعِ الْاَنْبِيَآءِ وَ الْمُرْسَلِيْنَ وَاقْضِ حَاجَاتِنَا فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَطِلْ عُمْرَنَا فِىْ طَاعَتِكَ وَ مَحَبَّتِكَ وَ رِضَاكَ وَ اَحْيِنَا حَيٰوةً طَيِّبَةً وَّتَوَفَّنَا عَلَى الْاِيْمَانِ وَ الْاِسْلَامِ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ o اَللّٰهُمَّ بِعِزِّ الْحَسَنِ وَ اَخِيْهِ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِيْهِ وَجَدِّهٖ وَ بَنِيْهِ فَرِّجْ عَنَّا مَا نَحْنُ فِيْهِ o

پھر سات بار یہ دعا پڑھے "سُبْحَانَ اللّٰهِ مِلْءَ الْمِيْزَانِ وَ مُنْتَهَى الْعِلْمِ وَ مَبْلَغَ الرِّضٰى وَ زِنَةَ الْعَرْشِ لَا مَلْجَاً وَلَا مَنْجَاً مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ o سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ الشَّفْعِ وَالْوَتْرِ وَعَدَدَ كَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّاتِ كُلِّهَا نَسْئَلُكَ السَّلَامَةَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ o وَهُوَ حَسْبُنَا وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ o نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ o وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ o وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ وَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ عَدَدَ ذَرَّاتِ الْوُجُوْدِ وَ عَدَدَ مَعْلُوْمَاتِ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o"

عاشورہ کا روزہ

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! عاشورہ کے دن روزہ رکھنا صرف ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کا معمول نہ تھا بلکہ آپ سے پہلے آنے والے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی اس دن روزہ رکھا کرتے تھے، چنانچہ حدیثِ پاک میں سرورِ کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا

"صُوْمُوْا يَوْمَ عَاشُوْرَآءَ يَوْمٌ كَانَتِ الْاَنْبِيَآءُ تَصُوْمُهٗ" عاشورہ کے دن روزہ رکھو، کیوں کہ یہ وہ دن ہے کہ اس کا روزہ انبیائے کرام رکھتے تھے۔ (جامع صغیر)

گناہوں کی معافی

حضور اکرم نورِ مجسم ﷺ نے فرمایا "صِيَامُ يَوْمِ عَاشُوْرَآءَ اَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِىْ قَبْلَهٗ" عاشورہ کے دن روزہ رکھنے پر مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ گزشتہ سال کے گناہوں کا کفارہ بنا دے گا۔ (مشکوٰۃ شریف، بیہقی)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے "اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ سُئِلَ عَنْ صِيَامِ يَوْمِ عَاشُوْرَآءَ فَقَالَ يُكَفِّرُ السَّنَةَ الْمَاضِيَةَ" رسول اکرم ﷺ سے عاشورا کے روزہ کے بارے میں پوچھا گیا آپ نے فرمایا یہ روزہ گزشتہ سال کے گناہ مٹا دیتا ہے۔ (مسلم شریف)

سب سے افضل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللّٰهِ الْمُحَرَّمُ وَ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ صَلٰوةُ اللَّيْلِ" رمضان کے بعد افضل روزے اللہ کے مہینے محرم کے روزے ہیں اور فرض نماز کے بعد افضل نماز رات کی نماز ہے۔ (مسلم شریف)

حضرت سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں "مَا رَاَيْتُ النَّبِىَّ ﷺ يَتَحَرّٰى صِيَامَ يَوْمٍ فَضَّلَهٗ عَلٰى غَيْرِهٖ اِلَّا هٰذَا الْيَوْمَ يَوْمَ عَاشُوْرَآءَ" میں نے رسولِ اکرم ﷺ کو کسی دن کے روزے کو اس دن یعنی یومِ عاشورہ کے روزے پر بزرگی دیتے ہوئے رکھنے کی جستجو کرتے نہیں دیکھا۔ (بخاری، مسلم)

چار خصلتیں

حضرتِ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں "اَرْبَعٌ لَّمْ يَكُنْ يَّدَعُهُنَّ النَّبِىُّ ﷺ صِيَامَ عَاشُوْرَآءَ وَ الْعَشَرِ مِنْ ذِى الْحِجَّةِ وَ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ وَّ رَكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ" چار چیزیں ایسی تھیں جنہیں حضور نبیِ اکرم ﷺ نے کبھی ترک نہیں کیا، یومِ عاشورہ کا

روزہ، ذوالحجہ کے عشرہ یعنی نو دن کے روزے، ہر ماہ کے تین دن یعنی ایامِ بیض کے روزے اور فجر کی فرض سے پہلے کی دو رکعتیں۔ (مشکوٰۃ شریف)

نویں محرم کا روزہ

حضرتِ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا ”حِیۡنَ صَامَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ ﷺ یَوۡمَ عَاشُوۡرَآءَ وَ اَمَرَ بِصِیَامِہٖ قَالُوۡا یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ اِنَّہٗ یَوۡمٌ یُّعَظِّمُہُ الۡیَھُوۡدُ وَ النَّصَارٰی فَقَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ ﷺ لَئِنۡ بَقِیۡتُ اِلٰی قَابِلٍ لَّاَصُوۡمَنَّ التَّاسِعَ“ جب رسول اللہ ﷺ نے یومِ عاشورہ کا روزہ رکھا اور اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم ارشاد فرمایا تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ تو وہ دن ہے جس دن کی یہود و نصاریٰ تعظیم کرتے ہیں، اس پر رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نویں محرم کا روزہ ضرور رکھوں گا۔

موت کی تنگی دور

حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ”اُفۡتُرِضَ عَلٰی بَنِیۡ اِسۡرَآئِیۡلَ صَوۡمُ یَوۡمٍ فِی السَّنَۃِ وَ ھُوَ یَوۡمُ عَاشُوۡرَآءَ اَلۡعَاشِرِ مِنَ الۡمُحَرَّمِ فَصُوۡمُوۡہُ وَ وَسِّعُوۡا فِیۡہِ عَلٰی عَیَالِکُمۡ وَ مَنۡ وَّسَّعَ عَلٰی عَیَالِہٖ مِنۡ مَّالِہٖ فِیۡ یَوۡمِ عَاشُوۡرَآءَ وَسَّعَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ سَآئِرَ سَنَتِہٖ وَ مَنۡ صَامَ ھٰذَا الۡیَوۡمَ کَانَ لَہٗ کَفَّارَۃَ اَرۡبَعِیۡنَ سَنَۃً وَّ مَا اَحَدٌ اَحۡیَا لَیۡلَۃَ یَوۡمِ عَاشُوۡرَآءَ وَ اَصۡبَحَ صَآئِمًا مَّاتَ وَ لَمۡ یُدۡرِ بِالۡمَوۡتِ“ بنی اسرائیل پر سال میں ایک دن جو کہ یوم عاشورہ یعنی دس محرم الحرام کا روزہ فرض ہوا تھا، لہٰذا تم بھی اس دن کا روزہ رکھا کرو اور اس روز اپنے اہل وعیال پر وسعت اور فراخی کیا کرو اور جس نے اپنے مال میں سے اس عاشورہ کے روز اپنے اہل وعیال پر ہاتھ کھلا کیا تو اللہ تعالیٰ سارا سال اسے وسعت عطا فرمائے گا اور جس نے اس روز روزہ رکھا تو اس کے چالیس سالوں کا کفارہ بن جائے گا اور جس کسی نے عاشورہ کی رات بیدار رہ کر گزاری اور دن روزے کی حالت میں گزارا وہ مرتے وقت موت کی تنگی محسوس نہیں کرے گا۔ (غنیۃ الطالبین)

نبیِ اکرم ﷺ کا معمول

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا ”اِنَّ رَسُوۡلَ اللّٰہِ ﷺ صَامَ یَوۡمَ عَاشُوۡرَآءَ وَ اَمَرَ بِصِیَامِہٖ“ رسول اکرم ﷺ نے عاشورہ (محرم کی دسویں) کا روزہ رکھا اور اس کا حکم بھی دیا۔ (بخاری و مسلم)

ماہِ محرم الحرام میں کیا جائز؟

محرم کی مجلسیں

محرم الحرام کے دسوں دن خصوصاً یومِ عاشورہ کو مجلسیں منعقد کرنا اور صحیح روایتوں کے ساتھ حضرتِ سیدنا امام عالی مقام اور شہدائے کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل ومناقب اور واقعاتِ کربلا بیان کرنا جائز اور ثواب کا کام ہے۔

حدیث شریف میں ہے ”عِنۡدَ ذِکۡرِ الصَّالِحِیۡنَ تَنۡزِلُ الرَّحۡمَۃُ“ جب صالحین کا ذکر ہوتا ہے تو رحمتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ جیسا کہ امامِ اہلِ سنت، مجدد اعظم حضور سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: ذکرِ شہادت شریف جب کہ روایاتِ موضوعہ وکلماتِ ممنوعہ و نیتِ نامشروعہ سے خالی ہو عینِ سعادت ہے ”عِنۡدَ ذِکۡرِ الصَّالِحِیۡنَ تَنۡزِلُ الرَّحۡمَۃُ“ یعنی صالحین کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔ (اعالی الافادۃ فی تعزیۃ الہند وبیان الشہادۃ ص:۹)

اسی طرح صدر الشریعہ حضرتِ علامہ امجد علی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں ”عشرۂ محرم میں مجلس منعقد کرنا اور واقعاتِ کربلا بیان کرنا جائز ہے جب کہ روایاتِ صحیحہ بیان کی جائیں۔ ان واقعات میں صبر وتحمل، ورضا وتسلیم کا بہت مکمل درس ہے اور پابندیِ احکامِ شریعت واتباعِ سنت کا زبردست عملی ثبوت ہے کہ دینِ حق کی حفاظت میں تمام اعزا واقربا ورفقا اور خود اپنے کو راہِ خدا میں قربان کیا اور جزع وفزع کا نام بھی نہ آنے دیا مگر اس مجلس میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی ذکرِ خیر ہونا چاہئے تاکہ اہلسنت وشیعوں کی مجالس میں فرق وامتیاز رہے۔“

(بہارِ شریعت جلد۱۶،ص:۲۴۷)

امام حسین کی نذر و نیاز

حضرتِ سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! میری ماں کا انتقال ہوگیا ہے تو ان کے لئے کون سا صدقہ افضل ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: پانی، تو حضرتِ سعد نے کنواں کھدوایا اور کہا یہ کنواں سعد کی ماں کے لئے ہے (یعنی اس کا ثواب سعد کی ماں کے لئے ہے)

(اشعۃ اللمعات، ج:۳،ص:۱۲۳)

اس حدیثِ پاک میں یہ الفاظ ''ھٰذِہٖ لِاُمِّ سَعْدٍ'' کہ یہ کنواں سعد کی ماں کے لئے ہے۔ یعنی یہ سعد کی ماں کے ایصالِ ثواب کے لئے وقف ہے، اس سے واضح طور سے ثابت ہوتا ہے کہ جس کی روح کو ثواب پہنچانے کی غرض سے کوئی صدقہ وخیرات کی جائے اور اس صدقہ و خیرات اور نیاز پر مجازی طور پر اس کا نام لیا جائے یعنی یوں کہا جائے کہ یہ سبیل یا کھچڑا حضرتِ امام حسین وشہدائے کربلا رضوان اللہ علیہم کے لئے ہے تو ہرگز ہرگز اس سبیل کا پانی یا دودھ اور کھچڑا حرام نہ ہوگا ورنہ پھر یہ بھی کہنا پڑے گا کہ اس کنویں کا پانی بھی حرام تھا جس کی نسبت غیر اللہ یعنی حضرتِ سعد کی ماں کی طرف تھی۔ حالاں کہ اس کنویں کا پانی حضور ﷺ ودیگر صحابۂ کرام و اہلِ مدینہ نے پیا ہے۔

اگر صرف نسبت کر دینے سے کوئی چیز حرام ہو جاتی تو حضور ﷺ کیوں اس کنویں کا پانی پیتے؟ اس سے بالکل ظاہر ہوگیا کہ جس طرح کنویں کا پانی غیر اللہ کی طرف نسبت کر دینے سے حرام نہیں ہوتا اسی طرح حضرتِ امام حسین کی نیاز شربت یا کھچڑا ان کی طرف منسوب کر دینے سے حرام نہیں ہوتا ہے۔ کھچڑے کے متعلق تو ایک روایت میں آتا ہے کہ خاص محرم کے دن کھچڑا پکانا حضرتِ نوح علیہ السلام کی سنت ہے، چنانچہ منقول ہے کہ حضرتِ نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان سے نجات پا کر جودی پہاڑ پر ٹھہری تو وہ دن عاشورہ محرم تھا۔ حضرتِ نوح علیہ السلام نے کشتی کے تمام اناجوں کو باہر نکالا تو فول (بڑی مٹر)، گیہوں، جو، مسور، چنا، چاول، پیاز یہ سات قسم کے غلے موجود تھے۔ آپ نے ان ساتوں کو ایک ہانڈی میں ملا کر پکایا۔ چنانچہ علامہ شہاب

الدین قلیوبی نے فرمایا کہ مصر میں جو کھانا عاشورہ کے دن طبیخ الحبوب (کھچڑا) کے نام سے مشہور ہے اس کی اصل دلیل یہی حضرتِ نوح علیہ السلام کا عمل ہے اور حضرتِ خواجہ نظام الدین اولیا علیہ الرحمہ راحت المحبین میں فرماتے ہیں کہ جو شخص عاشورہ کے دن سات قسم کے دانے پکائے تو ہر دانے کے بدلے اس کے نامۂ اعمال میں نیکی لکھی جائے گی اور اسی مقدار سے گناہ محو کئے جائیں گے۔ (تفسیر روح البیان، پ:۱۲، آیت قصہ نوح)

محرم الحرام میں کیا نہ کریں؟

اس پہلے اسلامی مہینے میں جہاں بہت سارے نیک اعمال اور جائز رسمیں مسلمانوں میں رائج ہیں وہیں کچھ لوگ جہالت اور لاعلمی کی بنیاد پر اسی ماہ میں کئی خلافِ شرع کام بھی کرتے ہیں جن سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں۔ ہر مسلمان کو ان تمام ناجائز اور خلافِ شرع کاموں سے بچنا چاہئے۔ اس مقدس مہینے میں ہمیں جن باتوں سے پرہیز کرنا چاہئے انہیں حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ یوں بیان فرماتے ہیں:

تعزیہ داری کہ واقعاتِ کربلا کے سلسلہ میں طرح طرح کے ڈھانچے بناتے اور ان کو حضرتِ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضۂ پاک کی شبیہ کہتے ہیں۔ کہیں تخت بنائے جاتے ہیں، کہیں ضریح بنتی ہے اور علم اور شدے نکالے جاتے ہیں، ڈھول تاشے اور قسم قسم کے باجے بجائے جاتے ہیں، تعزیوں کا بہت دھوم دھام سے گشت ہوتا ہے، آگے پیچھے ہونے میں جاہلیت کے سے جھگڑے ہوتے ہیں، کبھی درخت کی شاخیں کاٹی جاتی ہیں، کہیں چبوترے کھودوائے جاتے ہیں، تعزیوں سے منتیں مانی جاتی ہیں، سونے چاندی کے علم چڑھائے جاتے ہیں، ہار، پھول، ناریل چڑھاتے ہیں، وہاں جوتے پہن کر جانے کو گناہ جانتے ہیں بلکہ اس شدت سے منع کرتے ہیں کہ گناہ پر بھی ایسی ممانعت نہیں کرتے، چھتری لگانے کو بہت برا جانتے ہیں، تعزیوں کے اندر مصنوعی قبریں بناتے ہیں، ایک پر سبز غلاف اور دوسری پر سرخ غلاف ڈالتے ہیں، سبز غلاف والی کو حضرتِ سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر اور سرخ غلاف والی کو حضرتِ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر یا شبیہ قبر بتاتے ہیں اور وہاں شربت مالیدہ وغیرہ پر فاتحہ

دلواتے ہیں یہ تصور کر کے کہ حضرتِ امام عالی مقام کے روضہ اور مواجہہ اقدس میں فاتحہ دلا رہے ہیں۔ پھر یہ تعزیے دسویں تاریخ مصنوعی کربلا میں لے جا کر دفن کرتے ہیں۔ گویا یہ جنازہ تھا جسے دفن کر آئے پھر تیجہ، دسواں، چالیسواں سب کچھ کیا جاتا ہے اور ہر ایک خرافات پر مشتمل ہوتا ہے۔

حضرتِ قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مہندی نکالتے ہیں گویا ان کی شادی ہو رہی ہے اور مہندی رچائی جائے گی اور اسی تعزیہ داری کے سلسلہ میں کوئی پیک بنتا ہے جس کے کمر سے گھنگرو بندھے ہوتے ہیں گویا یہ حضرت امام عالی مقام کا قاصد اور ہرکارہ ہے جو یہاں سے خط لے کر ابن زیاد یا یزید کے پاس جائے گا اور وہ ہرکاروں کی طرح بھاگا پھرتا ہے۔ کسی بچہ کو فقیر بنایا جاتا ہے، اس کے گلے میں جھولی ڈالتے اور گھر گھر اس سے بھیک منگواتے ہیں، کوئی سقہ بنایا جاتا ہے، چھوٹی سی مشک اس کے کندھے سے لٹکتی ہے، گویا یہ دریائے فرات سے پانی بھر کر لائے گا، کسی علم پر مشک لٹکتی ہے اور اس میں تیر لگا ہوتا ہے گویا یہ حضرتِ عباس علمبردار ہیں کہ فرات سے پانی لا رہے ہیں اور یزیدیوں نے مشک کو تیر سے چھید دیا ہے، اسی قسم کی بہت سی باتیں کی جاتی ہیں، یہ سب لغو خرافات ہیں، ان سے ہرگز سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش نہیں۔

یہ تم خود غور کرو کہ انہوں نے احیائے دین وسنت کے لئے یہ زبردست قربانیاں کیں اور تم نے معاذ اللہ اس کو بدعات کا ذریعہ بنالیا۔ بعض جگہ اسی تعزیہ داری کے سلسلہ میں براق بنایا جاتا ہے جو عجب قسم کا مجسمہ ہوتا ہے کہ کچھ حصہ انسانی شکل کا ہوتا ہے اور کچھ حصہ جانور کا سا، شاید یہ حضرتِ امام عالی مقام کی سواری کے لئے ایک جانور ہوگا، کہیں دلدل بنتا ہے، کہیں بڑی بڑی قبریں بنتی ہیں، بعض جگہ آدمی ریچھ، بندر، لنگور بنتے ہیں اور کودتے پھرتے ہیں، جن کو اسلام تو اسلام انسانی تہذیب بھی جائز نہیں رکھتی، ایسی بُری حرکت اسلام ہرگز جائز نہیں رکھتا۔ افسوس کہ محبت اہلبیت کرام کا دعویٰ اور ایسی بیجا حرکتیں، یہ واقعہ تمہارے لئے نصیحتیں تھی اور تم نے اسے کھیل تماشا بنالیا۔ اسی سلسلہ میں نوحہ و ماتم بھی ہوتا ہے اور سینہ کوبی ہوتی ہے، اتنی زور زور سے سینہ کوٹتے ہیں کہ ورم ہو جاتا ہے، سینہ سرخ ہو جاتا ہے بلکہ بعض جگہ زنجیروں اور چھریوں سے ماتم کرتے ہیں کہ سینے سے خون بہنے لگتا ہے۔ تعزیوں کے پاس مرثیہ پڑھا جاتا ہے، مرثیہ میں

غلط واقعات نظم کئے جاتے ہیں، اہلبیت کرام کی بے حرمتی اور بے صبری اور جزع فزع کا ذکر کیا جاتا ہے اور چوں کہ اکثر مرثیہ رافضیوں ہی کے ہیں بعض میں تبرا بھی ہوتا ہے مگر اس رد میں سُنی بھی اسے بے تکلف پڑھ جاتے ہیں اور انہیں اس کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ کیا پڑھ رہے ہیں، یہ سب ناجائز اور گناہ کے کام ہیں۔

اظہارِ غم کے لئے سر کے بال بکھیرتے ہیں، کپڑے پھاڑتے اور سر پر خاک ڈالتے اور بھوسا اڑاتے ہیں یہ بھی ناجائز اور جاہلیت کے کام ہیں، ان سے بچنا نہایت ضروری ہے، احادیث میں ان کی سخت ممانعت آئی ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے امور سے پرہیز کریں اور ایسے کام کریں جن سے اللہ اور رسول ﷺ راضی ہوں کہ یہی نجات کا راستہ ہے۔

تعزیوں اور علم کے ساتھ بعض لوگ لنگر لٹاتے ہیں یعنی روٹیاں یا بسکٹ یا اور کوئی چیز اونچی جگہ سے پھینکتے ہیں، یہ ناجائز ہے کہ رزق کی سخت بے حرمتی ہوتی ہے، یہ چیزیں کبھی نالیوں میں بھی گرتی ہیں اور اکثر لوٹنے والوں کے پاؤں کے نیچے بھی آتی ہیں اور بہت کچھ کچل کر ضائع ہوتی ہیں۔ اگر یہ چیزیں انسانیت کے طریق پر فقرا کو تقسیم کی جائیں تو بے حرمتی بھی نہ ہو اور جن کو دیا جائے انہیں فائدہ بھی پہنچے مگر وہ لوگ اس طرح لٹانے ہی کو اپنی نیک نامی تصور کرتے ہیں۔ (بہارِ شریعت، جلد:۱۶، ص:۲۴۷۔۲۴۹)

اسی طرح حضور سیدنا سرکارِ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے بھی ماہِ محرم میں کئے جانے والے برے کاموں کی سخت مذمت فرمائی ہے، آپ تحریر فرماتے ہیں ”تعزیہ ممنوع ہے، شرع میں کچھ اصل نہیں اور جو کچھ بدعات ان کے ساتھ کی جاتی ہیں سخت ناجائز ہیں۔ تعزیہ پر جو مٹھائی چڑھائی جاتی ہے اگرچہ حرام نہیں ہوجاتی مگر اس کے کھانے میں جاہلوں کی نظر میں ایک امر ناجائز کی وقعت بڑھانے اور اس کے ترک میں اس سے نفرت دلانی ہے لہٰذا نہ کھائی جائے، ڈھول بجانا حرام ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد:۱۰، ص:۱۸۹)

☆☆☆☆☆

شہیدِ اعظم سے محبت کا تقاضہ

میرے پیارے آقا ﷺ کے پیارے دیوانو! امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اگر آپ کو سچی محبت کا دعویٰ ہے اور ان کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کرنا ہے تو واقعاتِ شہادت سُن کر آنسو بہا دینا یا ان کے نام سے نذر و نیاز کر دینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ حقیقتاً خراجِ عقیدت یہ ہے کہ ان کے نقشِ قدم پہ چلنے کا جذبہ پیدا ہو، تا کہ ہم ان کی بارگاہ میں یہ عرض کر سکیں ''اے امام ہم آپ کے عاشق ہیں اور آپ سے محبت رکھتے ہیں، جس کی دلیل یہ ہے کہ ہم نے اپنی زندگی کو آپ کے عظیم کردار کے سانچے میں ڈھال دیا ہے'' اور ترکِ صلوٰۃ، ترکِ سُنت، شراب، جوا، زنا، ناچ، گانا وغیرہا منکرات سے بچنے کا عہد کر کے یہ ظاہر کریں کہ ''اے امام ہم آپ کے دشمنوں سے دشمنی رکھتے ہیں، جس کی دلیل یہ ہے کہ ہم ان تمام بُرے کاموں اور غلط عادتوں سے نفرت بھی کرتے ہیں اور ان سے بچتے بھی ہیں کیوں کہ یہ ایسے اعمال و عادات ہیں کہ آپ کا محبّ کبھی بھی ان کا مرتکب نہیں ہوسکتا''۔

میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہمارا یہی خراجِ محبت امام حسین کی خوشنودی اور جنت میں ان کی رفاقت کا سبب بنے گا، کیوں کہ امام عالی مقام کی قربانی کا مقصد امتِ مسلمہ کو بُرائیوں سے بچانا ہی تھا۔

کاش! ہم عقل و شعور سے کام لیتے اور ان کے مقصدِ شہادت کو سمجھ کر اسی جذبے سے ہم بھی سرشار ہوتے۔ اللہ عزوجل ہم سب کو امام عالی مقام کی خوشی اور ان کے مشن کو باقی رکھنے اور یزیدی کردار سے بچنے اور دوسروں کو بچانے کی توفیق عطا فرمائے۔

اٰمِیْنَ بِجَاہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ اَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ وَ التَّسْلِیْم